علمی، ادبی، دینی، وتبلیغی رسالہ

ماہنامہ اذان بلال آگرہ

جلد ۳۸ — شمارہ: ۷، ۸

ذی الحجہ، محرم ۴۸، ۱۴۴۷ھ مطابق جولائی، اگست ۲۰۲۶ء

مدیر: مولانا قاری سعید احمد صاحب مرکزی

سرپرست: حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی

موبائل نمبر: 9557358285

9411401142

فون: ۰۵۶۲_۲۵۲۰۷۴۸

بیادگار

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ

حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب مظاہریؒ

بانی دارالعلوم آگرہ

زرتعاون ہندوستان سے

فی شمارہ.....۲۵/روپے

سالانہ.....۲۵۰/روپے

خصوصی.....۲۰۰۰/روپے

سہ سالہ.....۷۵۰/روپے

لائف ممبری.....۱۰۰۰۰/روپے

بیرون ممالک

۵۰/امریکی ڈالر کے مساوی

مجلس ادارت

اساتذۂ دارالعلوم آگرہ

اس دائرہ میں سرخ نشان علامت ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی، آئندہ کے لئے براہِ کرم رقم ارسال فرمادیں

خط وکتابت کا پتہ: منیجر ''اذان بلال'' دارالعلوم آگرہ محلّہ پیر جیلانی آگرہ۔۴

اس شمارے میں

نمبر شمار	فہرست مضامین	مضمون نگار	صفحہ
۱	حضرت مولانا ابوالبرکات.....	مولانا محمد الیاس صاحب ندوی	۵
۲	زیارت سے محرومی	مفتی ناصر الدین صاحب مظاہری	۷
۳	حضرت مولانا ابوالبرکات.....	مفتی عبدالحسیب صاحب مظاہری	۱۰
۴	حضرت مولانا ابوالبرکات.....	مولانا سرفراز احمد قاسمی	۳۱
۵	مولانا ابوالبرکات صاحب.....	مولانا عبدالقیوم صاحب قاسمی	۴۶
۶	حضرت مولانا ابوالبرکات.....	قاری محمد نعیم صاحب قاسمی	۵۰
۷	حضرت مولانا ابوالبرکات.....	قاری معین الدین صاحب قاسمی	۵۳
۸	تعزیتی پیغام	قاری معین الدین صاحب قاسمی	۵۶
۹	خبرنامہ	ادارہ	۵۸

Printed at : Rabbani Printers Katra Sheikh Chand Lal Kuan Delhi.110006
Published by:Saeed Ahmad Markazi Darul Uloom Agra Peer Jilani Agra-4.

مضمون نگار کی ہر بات سے ادارہ ''اذان بلال'' کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ ادارہ

پرنٹر پبلیشر سعید احمد مرکزی نے ربانی پرنٹرس کٹرہ شیخ چاند لال کنواں دہلی سے چھپوا کر ''دفتر اذان بلال'' دارالعلوم آگرہ محلہ پیر جیلانی آگرہ نمبر۔۴۔ یوپی (انڈیا) سے شائع کیا۔

حضرت مولانا ابوالبرکات صاحبؒ، ایک مردمجاہد

حضرت مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی
جنرل سکریٹری مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل

حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بانی دارالعلوم آگرہ ومدیر ماہنامہ اذان بلال) کو میں تقریباً ۲۰۱۰ء سے جانتا تھا، میں نے ان کو بہت قریب سے دیکھا، وہ ہمارے یہاں بھٹکل کئی دفعہ تشریف لائے اور میرا ان کی خدمت میں دارالعلوم آگرہ کئی دفعہ جانا بھی ہوا، میں نے ان کو چاہے ان کی طبیعت ناساز ہو یا وہ سفر میں ہوں ہمیشہ ایک مردمجاہد کی طرح پایا، اپنے قائم کردہ ادارہ دارالعلوم آگرہ کے لیے انہوں نے دن رات ایسی محنت کی کہ ان کی صحت بھی جواب دینے لگی لیکن وہ خاموش نہیں بیٹھے، مدرسے کے خاطر کبھی امریکہ جاتے تو کبھی کسی اور ملک کا دورہ کرتے، کبھی اچانک وجے واڑہ آندھرا میں اہلیانِ بھٹکل کے پاس پہنچ جاتے تو کبھی چینئی مدارس میں نظر آتے، اپنے طلبہ کی ضرورت کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کے لیے تیار رہتے۔

ان کو میں نے ان کے اپنے معاصر علماء میں کئی حیثیتوں سے ممتاز پایا، ملّی حمیت وغیرت اور دینی تعلیم کے لیے بے لوث خدمت کا جذبہ ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اعتدال وتوازن کے ساتھ وہ فکری بلندی کے بھی حامل تھے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور اس کے بزرگوں سے خاص کر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کو والہانہ عقیدت تھی اور ان کے جانشین مرشدامت حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے غیر معمولی محبت تھی۔ ''اذانِ بلال'' میں اکثر مفکر اسلام کے مضامین حالات حاضرہ کی مناسبت سے بڑے اہتمام سے شائع کرتے تھے۔

عالمی رابطہ ادب اسلامی سے بھی ان کو مناسبت تھی، اکثر اس کے سالانہ سمیناروں میں اپنی

معذوریوں ومصروفیتوں کے باوجود بڑے اہتمام سے شرکت فرماتے ،ایک مرتبہ رابطہ کا سالانہ سمینار دارالعلوم آگرہ میں بھی رکھا جو موضوع اور شرکا کی تعداد کے اعتبار سے بڑا کامیاب اور تاریخی سمینار تھا،اس موقع پر حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کے حسن انتظام کی تعریف کی ، وہ وقفہ وقفہ سے ندوۃ العلماء بھی حاضر ہوتے اور اپنے قدیم تعلق ومحبت کا ثبوت دیتے۔

آگرہ جیسے تاریخی شہر میں خالص دینی تعلیم کے لیے ایک معیاری مدرسے کا قیام ان کے روشن کارناموں میں سے ایک اہم کارنامہ ہے، خاص کر مدرسہ کے ترجمان اذان بلال کے علمی ودینی معیار کو جس طرح انہوں نے برقرار رکھنے کی کامیاب کوشش کی اس سے ان کے علمی وفکری ذوق کا اندازہ ہوتا تھا، وہ اپنے خوردوں پر بھی حد سے زیادہ شفقت کا معاملہ کرتے ،راقم الحروف کے لیے بھی ان کی شفقتیں ناقابل فراموش تھیں،اکثر ناچیز کے مضامین پابندی سے اپنے مجلّے اذانِ بلال میں شائع کرتے ، بلکہ کئی دفعہ اس کو اداریوں میں بھی جگہ دے کر غیر معمولی ہمت افزائی کی ،ان سب خدمات اور کامیاب دعوتی کوششوں کے ساتھ اللہ تعالی نے ان کو تواضع اور خاکساری کی عظیم نعمت سے بھی نوازا تھا، ہمیشہ سادگی کے ساتھ زندگی گزاری اور خاکساری وانکساری کے پیکر بن کر ہی دین کی خدمت میں لگے رہے، وہ آخری درجہ کے مہمان نواز بھی تھے،اپنوں ہی نہیں بلکہ اجنبیوں کی مہمان نوازی کو بھی وہ اپنی سعادت سمجھتے۔

ذاتی طور پر مجھے ان کی شفقتیں آج بھی رہ رہ کر یاد آتی ہیں، خاص کر بھٹکل میں قائم مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی واسلامک یونیورسٹی سے ان کی دلچسپی اور دعائیں ہمیشہ یاد رہیں گی۔

اللہ تعالی ملت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور ان کے قائم کیے ہوئے اداروں کو ہر طرح کی ترقیات سے نوازے،آمین۔☆☆☆

زیارت سے محرومی

جناب مفتی ناصر الدین صاحب مظاہری استاذ مظاہر علوم وقف سہارنپور

یہ غالباً ۱۹۹۷ء یا ۱۹۹۸ء کے آس پاس کی بات ہوگی۔ سہارنپور میں ایک ''نصف عالم'' نے بنات کا ایک ادارہ قائم کیا۔ ہمارے استاذِ گرامی، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین رحمہ اللہ نے فوراً اخبارات اور ماہنامہ آئینہ مظاہر علوم میں اعلان شائع کرایا کہ اس ادارے سے نہ میرا کوئی تعلق ہے اور نہ مظاہر علوم کا۔

حضرت مفتی مظفر حسین رحمہ اللہ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے مزاج کے آدمی تھے، اور حضرت تھانوی ایسے اداروں کے سخت مخالف تھے۔ انہی دنوں ایک روز میں نے مفتی محمد نعیم الٰہ آبادی سے، جو مظاہر علوم وقف کے فاضل تھے، کہا کہ اس موضوع پر ایک ایسی کتاب لکھئے جس میں احادیث، فتاویٰ، اکابر کے اقوال اور تاریخی شواہد سب یکجا ہو جائیں۔ اللہ کو منظور تھا۔ کتاب لکھی گئی، مگر اشاعت کے لیے سرمایہ کہاں سے آتا؟ مفتی خود پھٹے حال اور فارغ المال۔

اسی دوران حضرت مولانا ابراہیم باوا یوسف رحمہ اللہ کا پیغام آیا کہ ''حضرت مولانا ابوالبرکات مظاہری، آگرہ سے رقم لے لیجیے اور کتاب شائع کرا دیجیے۔'' مفتی صاحب آگرہ پہنچے، مالی تعاون ملا، کتاب چھپی اور پھر ایسی مقبول ہوئی کہ ہندوستان ہی نہیں، بیرونِ ملک بھی بار بار شائع ہوتی رہی۔

یہیں سے پہلی مرتبہ مولانا ابوالبرکات مظاہری کا نام میرے کانوں میں پڑا۔

پھر حضرت مولانا سید وقار علی بجنوری کے یہاں وقتاً فوقتاً ماہنامہ اذانِ بلال آتا تھا۔ میں شوق سے اسے پڑھتا۔ یوں دارالعلوم آگرہ سے ایک غیر محسوس سی وابستگی پیدا ہوگئی۔ آگرہ ہمارے

راستوں میں کبھی نہیں پڑا۔ سہارنپور سے دہلی جائیں یا لکھنؤ، آگرہ ہمیشہ نقشے کے کنارے پر ہی رہا۔ میں تو ازراہِ مزاح کہا کرتا ہوں کہ آگرہ اور علی گڑھ ہمارے لیے اتر پردیش کا ''کنیا کماری'' ہیں۔

پھر حضرت مفتی عبدالحسیب مظاہری سیتاپوری آگرہ پہنچے۔ ان سے دارالعلوم آگرہ اور اس کے بانی حضرت مولانا ابوالبرکات مظاہری رحمہ اللہ کے حالات سنتا رہا۔ بعد میں میرے مضامین بھی دارالعلوم کے رسالے میں مسلسل شائع ہونے لگے، لیکن عجیب بات ہے کہ جس شخصیت کا نام برسوں سے سنتا رہا، جس ادارے سے قلمی تعلق قائم ہوگیا، اس کے بانی کی زیارت کی سعادت آج تک نصیب نہ ہوسکی۔

بعض شخصیتیں ملاقات سے پہلے ہی دل میں گھر کر لیتی ہیں۔ ان کے بارے میں سن سن کر آدمی ان سے ایک قلبی رشتہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ حضرت مولانا ابوالبرکات مظاہری رحمہ اللہ میرے لیے ایسی ہی شخصیت تھے۔

میں جب ان کی زندگی کے منتشر اوراق کو سمیٹتا ہوں تو میرے سامنے ایک مدرسے کا مہتمم نہیں، بلکہ ایک ایسا مردِ درویش کھڑا نظر آتا ہے جس نے اپنی پوری زندگی ایک خواب کی تعبیر میں کھپا دی۔ فاقے آئے، تنگ دستی آئی، نقلِ مکانی ہوئی، مخالفتیں ہوئیں، بیماری نے بھی آگھیرا، مگر نہ حوصلہ ٹوٹا، نہ قدم ڈگمگائے۔

آج لوگ دارالعلوم آگرہ کی بلند و بالا عمارتیں دیکھتے ہیں، مگر شاید انہیں معلوم نہیں کہ ان دیواروں کی بنیاد میں ایک شخص کی بے خواب راتیں، سائیکل پر چندہ جمع کرنے کی مشقت، طلبہ کے لیے پانی بھرنے کی خاموش خدمت، اور امانت و دیانت کی وہ مثالیں بھی دفن ہیں جو اب کم ہی دیکھنے کو ملتی ہیں۔

مجھے حضرت کی زندگی کا سب سے روشن پہلو ان کی امانت داری محسوس ہوتا ہے۔ مدرسے کے مطبخ

کی ایک مرچ، ایک پیاز اور ایک دانہ چاول تک کو طلبہ کی امانت سمجھنا معمولی بات نہیں۔ جو شخص چھوٹی امانتوں کی حفاظت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بڑے اداروں کی امانت بھی سونپ دیتا ہے۔

دارالعلوم آگرہ صرف اینٹ، پتھر اور سیمنٹ کی تعمیر کا نام نہیں؛ یہ ایک شخص کے یقین، اخلاص، سجدوں، آنسوؤں اور مسلسل جدوجہد کی مجسم تفسیر ہے۔ ایسے ادارے سرمایہ سے کم اور کردار سے زیادہ بنتے ہیں۔

حضرت کی زیارت تو نصیب نہ ہوسکی، لیکن ان کی زندگی کا مطالعہ یہ احساس ضرور دلا گیا کہ کچھ لوگ دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اپنے کردار کی روشنی سے زندہ رہتے ہیں۔ ان کا تعارف ان کی تصویر نہیں، ان کے آثار ہوتے ہیں؛ اور ان کی پہچان ان کی گفتگو نہیں، ان کی چھوڑی ہوئی امانتیں ہوتی ہیں۔

☆☆☆

حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب مظاہریؒ

بانیِ دارالعلوم آگرہ

مفتی عبدالحسیب صاحب مظاہری سیتاپوری

استاذ حدیث دارالعلوم آگرہ

مختصر حالات، آئینۂ حیات میں

حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب مظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے والدِ محترم کا نام محمد یٰسین تھا۔ تاریخِ مظاہر علوم کے ریکارڈ کے مطابق آپ کی ولادت یکم جنوری ۱۹۴۸ء، مطابق ۱۸ صفر ۱۳۶۷ھ کو ہوئی۔ البتہ ایک مرتبہ حضرت نے ایک نجی مجلس میں راقم سے فرمایا:

''ملک کی آزادی کے وقت میری عمر تقریباً پانچ سال تھی۔''

آپ کی ولادت اپنے آبائی گاؤں بھرواٹولہ، پوسٹ بکبنیا، ضلع مغربی چمپارن بہار میں ہوئی۔

آپ کی والدہ نہایت عابدہ، صالحہ اور صوم وصلاۃ کی نہایت پابند خاتون تھیں۔ بظاہر یہی ان کی تربیت کا اثر تھا کہ ان کی آغوش میں پرورش پانے والا بچہ آگے چل کر ایک جید، بااستعداد عالمِ دین بنا اور تعلیم وتعلم کے لیے ایک عظیم دینی ادارے کا بانی ثابت ہوا۔

مولانا کا بچپن اپنے ننھیال میں گزرا۔ آپ اپنے ننھیال کے اکلوتے نواسے تھے، اس لیے وہاں

بے حد محبت، شفقت اور لاڈ پیار ملا۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے معروف ادارے جامعہ اسلامیہ قرآنیہ، سمرا، ضلع مغربی چمپارن سے حاصل کی۔ یہیں حفظِ قرآن کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم بھی اسی مدرسے سے حاصل کی۔

بعدازاں مزید تعلیم کے لیے گورکھپور کے ایک مدرسے میں تشریف لے گئے، جہاں ایک سال تک زیرِ تعلیم رہے۔ اخراجاتِ تعلیم اور جیب خرچ کے لیے قبرستان سے متصل ایک مسجد میں امامت بھی کرتے تھے۔

اس زمانے میں تنگ دستی اور کسمپرسی کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات کھانے کے لیے بھی رقم میسر نہ ہوتی۔ اس دور میں بدعات کا رواج عام تھا۔ لوگ مسجدوں کے طاقوں میں گلگلے، لڈو، شیرینی اور دیگر مٹھائیاں نذر کے طور پر رکھ جایا کرتے تھے۔ جب فاقوں کی شدت برداشت سے باہر ہو جاتی تو حضرت کو مجبوراً ان مٹھائیوں کو کھانا پڑتا۔

اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ جامع العلوم، پٹکاپور، کانپور تشریف لے گئے۔ عربی سوم سے لے کر عربی ہفتم تک کی تعلیم آپ نے وہیں حاصل کی۔

آپ کے ممتاز اساتذۂ کرام میں:

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ مفتیِ اعظم ہند، حضرت مولانا محمد نصیر صاحبؒ، حضرت مولانا مبین الحق صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحبؒ خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر

ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ گہرا تعلق مفتیِ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے تھا، جو زندگی بھر قائم رہا۔

جامع العلوم میں حضرت نے بڑی مشقت، محنت اور تنگ دستی کے ساتھ تعلیم حاصل کی۔

آپ کے خصوصی رفقائے درس میں:

حضرت مولانا انوار احمد صاحب جامعی، حضرت مولانا عبدالغنی صاحب بلگرامیؒ اور حضرت حافظ رحمت اللہ صاحب فاروقی سمستی پوری بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت نے جامع العلوم کانپور میں موقوف علیہ تک تعلیم حاصل کی۔

دورۂ حدیث شریف کے لیے آپ نے دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا۔ امتحانِ داخلہ دیا اور کامیاب بھی ہوئے؛ لیکن چونکہ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق تھا، اس لیے انہوں نے فرمایا:

''میرا جی چاہتا ہے کہ تم سہارنپور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف پڑھو۔''

چنانچہ آپ نے مظاہر علوم سہارنپور میں امتحانِ داخلہ دیا۔ آپ کا امتحان حضرت مولانا محمد یونس جونپوری رحمۃ اللہ علیہ نے لیا، اور آپ کامیاب ہوئے۔

آپ نے مظاہر علوم میں ایک سال بڑی محنت اور انہماک کے ساتھ گزارا۔ اپنے اساتذہ اور

مشائخ کی درسی تقریروں کو بھی نہایت اہتمام سے ضبط فرمایا کرتے تھے۔

آپ 1387ھ میں مظاہر علوم میں داخل ہوئے اور شعبان 1388ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔

آپ نے: بخاری شریف (جلدِ اول) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، طحاوی شریف حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (ناظم مظاہر علوم) سے، بخاری شریف (جلدِ دوم) اور جامع ترمذی مکمل فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور موطأ امام مالک ومحمد حضرت مولانا محمد یونس جونپوری رحمۃ اللہ علیہ سے، جبکہ سنن ابوداؤد حضرت مولانا محمد عاقل صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔

مظاہر علوم سے فراغت کے بعد:

مظاہر علوم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں سے دریافت فرمایا:

''تم لوگ اب کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟''

ہر ایک نے اپنی اپنی رائے پیش کی۔ پھر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا ابوالبرکات صاحب سے پوچھا:

''تم کیا کروگے؟''

آپ نے نہایت ادب سے عرض کیا:

''حضرت! آپ جو حکم فرمائیں گے اور جہاں جانے کے لیے ارشاد فرمائیں گے، میں بلاتردد وہیں چلا جاؤں گا۔''

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میرا جی چاہتا ہے کہ تم جامع العلوم، کانپور چلے جاؤ۔''

چنانچہ حضرت، اپنے شیخ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جامع العلوم، پٹکاپور، کانپور تشریف لے گئے۔

جامع العلوم کانپور میں تدریسی خدمات:

جامع العلوم میں حضرت نے ابتدائی عربی و فارسی سے لے کر موقوف علیہ تک تقریباً پندرہ سال نہایت جاں فشانی، محنت اور اخلاص کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دیں۔

آپ کے ممتاز تلامذہ میں درج ذیل حضرات بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں:

حضرت مولانا وکیل احمد صاحبؒ، مہتمم جامع العلوم، کانپور۔

حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، نائب مفتی، شہر آگرہ۔

حضرت مولانا مفتی نجیب احمد صاحب باندوی، فرزندِ عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحب، استاذ مدرسہ فرقانیہ، گونڈہ۔

حضرت مولانا قاری محمد زکریا صاحب، استاذ مدرسہ انوار العلوم، ہارون کمپاؤنڈ، کرلا،

ممبئی۔

مطالعہ اور تدریس کا انہماک:

آپ کے تلامذہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مطالعہ اور تدریس میں اس قدر مستغرق رہتے تھے کہ جمعہ کی چھٹی کا بھی خیال نہ رہتا۔ بسا اوقات جمعہ کے دن بھی طلبہ کو سبق پڑھانے کے لیے بلا لیتے۔ جب طلبہ عرض کرتے:

''حضرت ! آج جمعہ ہے، چھٹی کا دن ہے۔''

تب آپ کو یاد آتا کہ واقعی آج تدریس کا معمول نہیں۔

مختصر المعانی اور نور الانوار کے اسباق آپ کی تدریس کی وجہ سے غیر معمولی مقبول تھے۔ طلبہ بڑی رغبت اور شوق سے آپ کے دروس میں شریک ہوتے تھے۔

ناظمِ مطبخ کی حیثیت سے دیانت داری:

جامع العلوم کے زمانۂ تدریس میں حضرت نے ناظمِ مطبخ کی ذمہ داری بھی نہایت دیانت داری، سلیقے اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ انجام دی۔

آپ خود قصاب کے یہاں سے گوشت اور بازار سے راشن اپنے کندھوں پر اٹھا کر لاتے تھے۔

امانت و دیانت کا یہ عالم تھا کہ مطبخ کی معمولی سے معمولی چیز، حتیٰ کہ ایک مرچ یا ایک پیاز بھی ذاتی استعمال میں لانا گوارا نہ کرتے تھے۔

اکثر فرمایا کرتے تھے:

''مدرسے کے مطبخ کی چھوٹی بڑی ہر چیز صرف طلبہ کی امانت ہے، اس میں کسی دوسرے کا

کوئی حق نہیں۔''

مدرسہ اسلامیہ، مغربی چمپارن:

جامع العلوم کانپور سے علیحدگی کے بعد آپ اپنے آبائی ضلع مغربی چمپارن کے مدرسہ اسلامیہ میں تقریباً دوسال تک صدر مدرس رہے۔

حضرت کی طبیعت نہایت اصول پسند تھی۔ یہاں بھی آپ اساتذہ اور کارکنان کو ضابطوں کی پابندی کی تلقین کرتے اور مدرسے کے اموال کو ذاتی استعمال میں لانے سے سختی سے روکتے تھے۔

لیکن آپ کی یہی اصول پسندی، صاف گوئی اور بے لاگ حق بات کہنا بعض لوگوں کو ناگوار گزرا۔ نتیجتاً اساتذہ اور کمیٹی کے بعض افراد سے اختلافات پیدا ہوئے اور حضرت نے مصلحتاً استعفا دے دیا۔

راجستھان کی جانب سفر:

اس کے بعد آپ ریاست راجستھان کے ضلع سوائی مادھوپور کے گاؤں ''بہتیڑ'' تشریف لے گئے اور وہاں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

اسی کیفیت کی ترجمانی یہ اشعار کرتے ہیں:

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے، اُدھر نکلے؛ اُدھر ڈوبے، اِدھر نکلے۔
یک جا رہے نہیں عاشقِ زار کہیں،

دن کہیں، رات کہیں، صبح کہیں، شام کہیں۔

حضرت تقریباً دوسال تک وہاں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

بیماری اور جے پور کا سفر:

اسی دوران اچانک آپ کے پیٹ میں ناقابلِ برداشت درد شروع ہوا۔ ڈاکٹروں کے معائنے سے معلوم ہوا کہ گردے میں پتھری ہے۔

اطباء نے مشورہ دیا کہ آپریشن جے پور کے سوائی مان سنگھ ہسپتال میں کرایا جائے۔

چنانچہ حضرت وہاں داخل ہوئے۔ دورانِ علاج جے پور کے مرکزِ تبلیغ کے احباب برابر عیادت کے لیے آتے رہے۔

آپریشن کے بعد آرام کے لیے تبلیغی مرکز ہی کو مناسب سمجھا گیا۔ حضرت کے اس قیام کے دوران مرکز کے طلبہ آپ سے علمی استفادہ کرتے رہے۔

ان میں خصوصیت کے ساتھ درج ذیل حضرات کے نام قابلِ ذکر ہیں:

حضرت مفتی امجد صاحب، امیرِ تبلیغ، جے پور۔

مولانا عبدالواجد صاحب، جے پور۔

جے پور سوئیٹس ہاؤس کے مالک مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب۔

آگرہ آمد اور دارالعلوم آگرہ کے قیام کی جدوجہد:

راجستھان سے واپسی کے بعد غالباً ۱۹۸۲ء میں حضرت مولانا ابو البرکات صاحب مظاہری رحمۃ اللہ علیہ شہر آگرہ تشریف لائے اور اُس وقت کی ممتاز درسگاہ مدرسہ افضل العلوم،

تاج گنج میں تقریباً تین سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

اس کے بعد آپ مدرسہ تعلیم القرآن، وزیر پورہ، آگرہ تشریف لے آئے، جہاں تقریباً پانچ، چھ ماہ تک شعبۂ عربی و فارسی میں نہایت محنت، خلوص اور جاں فشانی کے ساتھ تدریس فرماتے رہے۔ طلبہ آپ کی شفقت، حسنِ تدریس اور بے مثال محنت کی وجہ سے بے حد گرویدہ تھے؛ لیکن بعض انتظامی اور نظریاتی اختلافات کے باعث حضرت نے یہاں سے بھی استعفا دے دیا۔

سیدنا ابوالعلاء درگاہ میں قیام:

مدرسہ تعلیم القرآن سے علیحدگی کے بعد حضرت نے سیدنا ابوالعلاء درگاہ میں قیام فرمایا۔ یہ آگرہ کی ایک مشہور و معروف درگاہ ہے، جس کے گرد و نواح میں وقف بورڈ کی وسیع اراضی تھی، اگرچہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کا بڑا حصہ ناجائز قبضوں کی نذر ہو چکا ہے۔

حضرت کے اس دور کے بعض تلامذہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت رہائش کی حالت نہایت ناگفتہ بہ تھی۔ صرف ایک حجرہ تھا، جب کہ طلبہ کی تعداد تقریباً ایک سو تھی۔ طلبہ کا سامان بے ترتیبی سے پڑا رہتا، رہائش کا کوئی مناسب انتظام نہ تھا، حتیٰ کہ پختہ قبروں کو ہی اپنی خواب گاہ بنا لیتے تھے۔

استنجا اور قضائے حاجت کے لیے نہ بیت الخلا تھا اور نہ پیشاب خانہ۔ طلبہ کھلے میدان میں حتی الامکان پردے کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی ضرورت پوری کرتے تھے۔

درگاہ کے مجاوروں سے روزانہ کسی نہ کسی بات پر تکرار ہو جایا کرتی تھی؛ مگر حضرت نہایت اطمینان سے فرمایا کرتے تھے:

''توکلا علی اللہ! ان شاء اللہ، ہم یہاں زیادہ دن نہیں رہیں گے، اللہ تعالیٰ ہمارے لیے بہتر راستہ کھول دے گا۔''

اور واقعی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بہت جلد اسباب پیدا فرمادیے۔

نئی زمین کی فراہمی:

محترم جناب عبدالسبحان صاحب مرحوم نے پیر جیلانی قبرستان (جو افتادہ ہو چکا تھا اور لوگوں نے گورکنوں سے خرید خرید کر اور ناجائز قبضے شروع کر دیئے تھے) میں مدرسے کی نیت سے ایک مختصر سا قطعۂ زمین خرید رکھا تھا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب کو مستقل مدرسے کے لیے زمین درکار ہے تو وہ، حضرت مولانا مجاہد صاحب کٹیہاری (امام مسجد پیر جیلانی) کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ زمین دکھائی۔

حضرت نے جگہ کا معائنہ فرمایا تو پسند آئی؛ اگرچہ اس کی حالت انتہائی خستہ تھی۔ ایک طرف زمین دس بارہ فٹ اونچی تھی اور دوسری طرف اتنی ہی گہری نشیب میں تھی۔ بظاہر وہاں تعمیر کا تصور بھی مشکل معلوم ہوتا تھا، مگر اہلِ عزم کے لیے مشکلات کبھی رکاوٹ نہیں بنتیں۔

ابتدائی جدوجہد:

اس زمانے کے مخلص اور جاں نثار طلبہ روزانہ عشاء کی نماز کے بعد سیدنا ابوالعلاء درگاہ سے پیر جیلانی آتے اور رات گئے تک زمین کی کھدائی اور ہموار کرنے میں مشغول رہتے۔ حضرت مولانا خود ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور برابر ان کے ساتھ موجود رہتے۔ کھدائی کے دوران پرانی قبروں کے آثار نمایاں ہوتے، بوسیدہ ہڈیاں برآمد ہوتیں تو حضرت نہایت ادب کے ساتھ انہیں دوبارہ دفن فرماتے۔

ایک طرف حضرت کا اخلاص، دوسری طرف اساتذہ اور طلبہ کی بے لوث محنت، اور اس پر

اللہ تعالیٰ کی خصوصی نصرت؛ یہی وہ اسباب تھے جنہوں نے ناممکن کو ممکن بنا دیا۔آہستہ آہستہ یہ ناہموار زمین رہائش کے قابل بن گئی۔

بے سروسامانی کا دور:

۱۹۸۶ء کی بات ہے کہ اس وقت نہ کوئی پختہ عمارت تھی، نہ خام، نہ چھپر اور نہ کوئی دوسرا انتظام۔صرف کھلا آسمان تھا۔

جنگل سے ببول کی لکڑیاں کاٹ کر کھمبے بنائے گئے، سیمنٹ کی خالی بوریاں سی کران پر ڈال دی گئیں اور اسی سے عارضی چھپر تیار کیا گیا۔مدرسے کی مالی حالت انتہائی کمزور تھی۔

حضرت خود فرمایا کرتے تھے:

''کبھی طلبہ کی چائے کے لیے شکر ہوتی تھی مگر چائے پتی نہیں ہوتی تھی، اور کبھی شکر اور چائے پتی دونوں ہوتیں تو دودھ موجود نہ ہوتا تھا۔''

کھانے کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی۔

طلبہ کی تعداد تقریباً سو تھی، لیکن مطبخ میں اکثر راشن ختم ہو جاتا۔ایسے مواقع پر حضرت اپنی سائیکل لے کر شہر کے مختلف محلوں میں نکل جاتے اور آٹا، چاول، تیل، پیاز، سبزی، مصالحہ یا نقد رقم کی صورت میں چندہ جمع کر کے واپس آتے۔

اس عظیم جدوجہد میں آپ کے برادرِ عم زاد حضرت مولانا عبدالمنان صاحب قاسمی دامت برکاتہم، مہتمم دارالعلوم اصحابِ صفہ، بھی شانہ بشانہ شریک رہتے اور حضرت کی ہدایت کے مطابق مالی وغذائی ضروریات کی فراہمی میں بھرپور تعاون فرماتے۔

اسی کیفیت پر یہ فارسی شعر صادق آتا ہے:

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خوں غلطیدن
خدا رحمت کند عاشقانِ پاک طینت را

ابتدائی دور کی محرومیوں،قربانیوں اور مجاہدوں کا احاطہ قلم کے لیے آسان نہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ:

دامانِ نگہ تنگ، و گلِ حسن تو بسیار
گلچین بہار حسن تو ز داماں گلہ دارند

پانی کی قلت اور حضرت کا بے مثال ایثار:

ابتدائی دور کی محرومیوں کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مدرسے میں پانی کا کوئی انتظام نہ تھا۔نہ ٹنکی تھی،نہ ہینڈ پمپ اور نہ سبمرسیبل۔

دارالعلوم آگرہ سے تقریباً تین چار سو میٹر کے فاصلے پر،آگرہ یونیورسٹی کے احاطے میں ایک ہینڈ پمپ تھا۔حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب رحمۃ اللہ علیہ روزانہ رات کو، جب تمام طلبہ اپنے بستروں پر جا چکتے، وہاں سے پانی بھر کر مدرسے کے مٹکوں میں لاتے تاکہ صبح بیدار ہونے پر طلبہ کو وضو اور استنجا کے لیے پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔

یہ معمول چند دن یا چند ماہ نہیں، بلکہ کئی برس تک جاری رہا۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ حضرت صبح سویرے آگرہ انٹرسٹی کے ذریعے فراہمی مالیات کے لیے دہلی تشریف لے جاتے، رات اسی ٹرین سے واپس آتے، پھر آرام کرنے کے بجائے سیدھے آگرہ یونیورسٹی کے ہینڈ پمپ پر پہنچتے، پانی بھر کر مدرسے کے مٹکے بھرتے اور فجر کے بعد دوبارہ دہلی روانہ ہو جاتے۔

یہ مجاہدہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ یہ سعادت انہی بندگانِ خدا کے حصے میں آتی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت کے لیے منتخب فرما لیتے ہیں۔

اپنے لہو سے روشن کر دیں گلیاں اس ویرانے کی
گرچہ بہت تاریک تھیں راہیں شہرِ وفا تک جانے کی۔

دارالعلوم آگرہ کی ترقی:

اگر دارالعلوم آگرہ کی ترقی کے تمام مراحل روز بروز، ماہ بماہ اور سال بسال قلم بند کیے جائیں تو اس کے لیے ایک مستقل ضخیم کتاب درکار ہوگی۔

مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ دارالعلوم آگرہ کے ابتدائی ایام نہایت دشوار گزار، کٹھن اور کسمپرسی سے بھرپور تھے؛ لیکن حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عزمِ صمیم، توکل علی اللہ اور مسلسل جدوجہد نے تمام مشکلات کو آسان کر دیا۔

گویا حضرت نے اقبال کا یہ شعر اپنی عملی زندگی میں مجسم کر دکھایا تھا:

تندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی مخلصانہ محنتوں کو غیر معمولی قبولیت عطا فرمائی۔ دیکھتے ہی دیکھتے دارالعلوم آگرہ ایک عظیم دینی، تعلیمی اور تربیتی مرکز کی صورت اختیار کر گیا۔

علماء، مدارس اور شخصیات سے غیر معمولی واقفیت:

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ہندوستان کے تقریباً تمام بڑے مدارسِ اسلامیہ اور ممتاز علماء

کے حالات واحوال سے غیر معمولی واقفیت حاصل تھی۔آپ کے پاس ملک کی مختلف ریاستوں کے مدارس، علماء اور دینی شخصیات کے رابطہ نمبروں پر مشتمل ایک نہیں بلکہ متعدد ڈائریاں موجود رہتی تھیں۔ بڑے مرکزی اداروں کے اساتذہ، دفتری عملے، مہمان خانوں کے ذمہ داران اور دیگر متعلقہ افراد کے نمبرات بھی آپ نے نہایت اہتمام سے محفوظ کرر کھے تھے۔

سرکاری محکموں سے مضبوط روابط:

اسی طرح آگرہ کے پولیس افسران، مختلف سرکاری محکموں، ڈاکٹروں، ہسپتالوں، گیس سلنڈر کے محکمے، پوسٹ آفس اور دیگر سرکاری دفاتر کے ذمہ دار افسران کے نمبرات بھی آپ کے پاس موجود رہتے تھے۔اگر کسی سرکاری دفتر کا نچلے درجے کا ملازم کام میں ٹال مٹول یا بلاوجہ رکاوٹ پیدا کرتا تو آپ براہِ راست اعلیٰ افسر سے رابطہ کر کے شکایت کرتے، جس کے نتیجے میں فوری کارروائی ہوتی۔

پوسٹ آفس کا ایک سبق آموز واقعہ:

ایک مرتبہ مدرسے کے ایک ذمہ دار کو آگرہ کے ایک بڑے پوسٹ آفس میں کسی کام سے بھیجا گیا۔وہاں ایک ملازم نے بلاوجہ پیچیدگیاں پیدا کر دیں۔جب اس کی اطلاع حضرت کو دی گئی تو آپ نے فوراً آگرہ ڈویژن کے اعلیٰ ترین پوسٹل افسر سے فون پر گفتگو کی۔نتیجتاً فوراً کارروائی ہوئی، اور وہ ملازم خود دارالعلوم حاضر ہوا، تحریری معذرت پیش کی، اور حضرت مولانا کے دستخط کے بعد ہی اسے اطمینان نصیب ہوا۔

براہِ راست ذمہ دار افسر سے رابطے کا اصول:

حضرت کی ایک مستقل ہدایت یہ تھی کہ جب بھی کسی سرکاری یا نجی ادارے میں کوئی کام ہو تو نچلے درجے کے ملازم کے پیچھے وقت ضائع نہ کیا جائے، بلکہ براہِ راست ذمہ دار اور بااختیار افسر سے بات کی جائے۔ آپ ہمیشہ بلند حوصلگی، خود اعتمادی اور عالی ہمتی کی تعلیم دیتے تھے۔

اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے جب کبھی بینک تشریف لے جاتے تو منیجر سے کم درجے کے کسی ملازم سے گفتگو نہ کرتے۔ ہری پروت تھانے جاتے تو عام پولیس اہلکاروں کے بجائے براہِ راست سی او یا اس سے بلند افسران سے ملاقات فرماتے۔ آپ کے روابط ایس پی، ایس ایس پی بلکہ ڈی آئی جی سطح تک قائم تھے۔

نگلہ گاؤں کے جلسے میں انتظامیہ کی غیر معمولی شرکت

ایک مرتبہ دارالعلوم آگرہ کی شاخ، معہد عثمان بن عفان، نگلہ گاؤں میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ حضرت نے محض اطلاع کے طور پر ایس ایس پی کو آگاہ کیا تو اعلیٰ پولیس افسران، متعدد سرکاری گاڑیاں اور بلٹ پروف جیکٹ پہنے پولیس اہلکار موقع پر پہنچ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر آس پاس کے دیہات کے باشندے، خصوصاً برادرانِ وطن، حیرت زدہ رہ گئے۔ بعد ازاں اس واقعے کے مثبت اثرات طویل عرصے تک محسوس کیے جاتے رہے۔

کنویں میں گری بھینس اور فوری سرکاری امداد

اسی طرح ایک مرتبہ معہد عثمان بن عفان کی ایک بھینس کنویں میں گر گئی۔ حضرت نے اعلیٰ پولیس انتظامیہ کو اطلاع دی تو فوراً پولیس اور فائر بریگیڈ کی ٹیم وہاں پہنچ گئی، حالانکہ اس دور افتادہ گاؤں تک پہنچنا نہایت دشوار تھا اور راستے میں بے شمار موڑ اور دشوار گزار راستے

تھے۔

نظم وضبط اور وقت کی پابندی

حضرت مولانا کی طبیعت میں غیر معمولی نظم وضبط اور ترتیب پسندی تھی۔ ہر چیز اپنی مقررہ جگہ پر رکھی جاتی، اور اسی ترتیب کے ساتھ استعمال بھی ہوتی۔ آپ جن ممالک کا سفر کرتے یا جہاں کے لوگوں سے مستقل رابطہ رکھتے تھے، ان ممالک کے اوقات معلوم رکھنے کے لیے دفتر میں الگ الگ گھڑیاں نصب تھیں۔ ہر گھڑی کے نیچے کمپیوٹر سے تیار کردہ نمایاں اسٹیکر چسپاں ہوتا، تاکہ نشست گاہ سے ہی ہر ملک کا وقت آسانی سے دیکھا جا سکے۔

صفائی، نفاست اور آدابِ طعام

صفائی اور نفاست کا یہ عالم تھا کہ اگر دفتر میں معمولی ناشتہ یا مٹھائی بھی پیش کی جاتی تو خود بھی اس بات کا اہتمام فرماتے اور دوسروں کو بھی تاکید کرتے کہ مٹھائی کا ایک ذرہ بھی فرش پر نہ گرے۔ کھانے والے، خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے، سب کو اپنے ہاتھ سے ٹشو پیپر دیتے تاکہ ہاتھ اور لباس صاف ستھرے رہیں۔

طلبہ کی خوراک سے غیر معمولی دلچسپی

طلبہ کے قیام و طعام کی فکر حضرت کے مزاج کا مستقل حصہ تھی۔ سالِ وفات کے رمضان المبارک میں ایک دن دوپہر کے وقت مطبخ میں کھانا تیار نہ ہو رہا تھا۔ حضرت کو اس پر سخت تشویش ہوئی اور دریافت فرمایا کہ طلبہ کا کھانا کیوں نہیں پک رہا؟ جب بتایا گیا کہ رمضان کی وجہ سے طلبہ روزے سے ہیں، تب جا کر آپ کو اطمینان ہوا۔

حضرت ہمیشہ اس بات کے خواہاں رہتے تھے کہ طلبہ کو عمدہ، معیاری اور لذیذ غذا میسر آئے۔ اپنے دورِ اہتمام میں آپ خصوصی طور پر رام پور سے اعلیٰ درجے کے چاول منتخب کر کے ٹرک بھروا کر دارالعلوم منگوایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ کے مخلص شاگرد حضرت مولانا مسعود احمد ٹانڈہ بادلی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا قمرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جو وہاں کے رائس مل مالکان سے واقف تھے، عمدہ چاول کے انتخاب اور خریداری میں آپ کی معاونت فرماتے تھے۔

شاگردنوازی اور بے مثال شفقت

حضرت کو اپنے شاگردوں سے بے پناہ محبت تھی۔ ان پر ہمیشہ شفقت فرماتے، ان کی ضروریات کا خیال رکھتے اور حسبِ ضرورت مالی تعاون اور ہدیہ بھی ارسال کیا کرتے تھے۔ آپ کے متعدد شاگرد گزشتہ صفحات میں مذکور ہو چکے ہیں، جبکہ چند دیگر نمایاں شاگردوں میں حضرت مولانا عبدالسلام بردوانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد عرفان صاحب، مولانا جلال الدین صاحب ہردوئی، حضرت مولانا غلام الرحمٰن صاحب ٹمکور، کرناٹک، حضرت مولانا عبدالمنان قاسمی صاحب، مہتمم دارالعلوم اصحابِ صفہ رنکتا آگرہ، حضرت مولانا کلیم الدین صاحب، صدر مدرس مدرسہ افضل العلوم تاج گنج آگرہ، حضرت مولانا محمد کلیم صاحب سمدھن، قنوج اور حضرت مولانا متین الحق اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت کی چند نمایاں حصول یابیاں:

حضرت کی خدمات اور کارنامے بے شمار ہیں، تاہم چند نمایاں یادگاریں درج ذیل ہیں:

دارالعلوم آگرہ کی پانچ منزلہ تین عظیم الشان عمارتیں۔

مسجدِ عمر فاروقؓ دارالعلوم آگرہ۔

چھ منزلہ مدرسہ بلال، پادی ٹولہ، شاخ دارالعلوم آگرہ۔

معہد عثمان بن عفان۔(اے۔بی۔ایم انٹرنیشنل اسکول، بنجاروں کا نگلہ) وسیع وعریض رقبے پر قائم متعدد تعلیمی ورہائشی عمارتیں، جن میں تقریباً پانچ سو طلبہ کے قیام وطعام کا مکمل انتظام ہے۔

آبائی وطن بھروا ٹولہ، بجنیا، لوریا روڈ میں اے۔بی۔ایم ڈگری کالج، یٰسین انٹرنیشنل اسکول اور معہد ابوبکر صدیق، جو دارالعلوم آگرہ کی شاخ ہے۔

غیر معمولی حافظہ اور قوتِ یادداشت

حضرت کی یادداشت غیر معمولی تھی۔ مدرسے کے بے شمار معاونین، اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک متعلقین کے ٹیلی فون نمبرات، ان کے خاندانی پس منظر اور قدیم واقعات آپ کو ازبر ہوتے تھے۔ ماضی کے واقعات جب آپ بیان فرماتے تو سامعین حیران رہ جاتے کہ اتنی پرانی باتیں بھی کس مضبوطی سے محفوظ ہیں۔

آخری ایام اور انتظامی ذمہ داریوں کی منتقلی

تاہم اللہ تعالیٰ کی مشیت سے آخری عمر میں بیماری کا اثر سب سے پہلے دماغ اور حافظے پر ہوا۔ کورونا وبا اور لاک ڈاؤن کے بعد سہو ونسیان کی کیفیت پیدا ہوئی، جو رفتہ رفتہ بڑھتی گئی۔ یادداشت کمزور ہونے لگی تو حضرت نے دارالعلوم کے انتظامی معاملات اپنے فرزندان کے سپرد کرنا شروع کر دیے۔ آپ بطورِ سرپرست دارالعلوم میں موجود رہتے، اہم امور میں مشورہ دیتے اور رہنمائی فرماتے، جبکہ عملی انتظام وانصرام جناب قاری سعید احمد صاحب، ناظم دارالعلوم آگرہ،

اور جناب ماسٹر راشد عالم صاحب، نائب مہتمم دارالعلوم آگرہ، کے سپرد تھا۔ مطبخ، مشاہرات، اساتذہ وطلبہ کی ضروریات اور دیگر انتظامی امور کی نگرانی یہی دونوں حضرات انجام دیتے تھے۔

یادداشت کی آخری جھلکیاں

اس کے باوجود کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا کہ حافظہ اپنی سابقہ قوت کے ساتھ لوٹ آیا ہو۔ ایسے مواقع پر حضرت پرانے واقعات اس قدر ترتیب، وضاحت اور سلیقے سے بیان فرماتے کہ سننے والے حیرت میں ڈوب جاتے۔

آخری ایام:

رمضان المبارک 1447ھ میں حضرت دارالعلوم آگرہ ہی میں مقیم تھے۔ ماشاءاللہ صحت بھی کافی بہتر تھی۔ روزانہ لوگوں سے ملاقات فرماتے، ان کے احوال دریافت کرتے اور مدرسے کے احاطے میں چہل قدمی بھی کرتے تھے۔

رمضان المبارک کی سولہویں تاریخ، نمازِ عصر کے بعد اچانک شدید کمزوری محسوس ہوئی اور جسم کے بائیں حصے نے کام کرنا بند کر دیا۔

اس وقت حضرت کے صاحبزادگان اور متعدد اساتذہ فراہمی مالیات کے سلسلے میں سفر پر تھے۔ گھر میں صرف اہلِ خانہ موجود تھے۔ چنانچہ مدرسے کے استاذ، جناب قاری فیروز احمد صاحب کو اطلاع دی گئی۔

قاری صاحب عشاء اور تراویح سے فراغت کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت گلے کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ ایک گلاس شربت پیش کیا

گیا، جسے آپ نے آہستہ آہستہ نوش فرمایا۔

یہی شربت آپ کی دنیاوی زندگی کا آخری مشروب ثابت ہوا۔

رات تقریباً پونے ایک بجے طبیعت مزید بگڑ گئی۔ ڈاکٹروں کے مشورے سے آپ کو آگرہ کے جی۔جی۔نرسنگ ہوم، سنجے پلیس میں داخل کرایا گیا۔

معائنے کے بعد ڈاکٹروں نے بتایا کہ شدید بلڈ پریشر کے باعث دماغ کی ایک رگ پھٹ گئی ہے۔ دو دن تک آگرہ میں علاج جاری رہا، لیکن جب افاقہ نہ ہوا تو ڈاکٹروں نے دہلی منتقل کرنے کا مشورہ دیا۔

چنانچہ 19 رمضان المبارک کی رات تقریباً گیارہ بجے آپ کو دہلی کے ہولی فیملی ہسپتال لے جایا گیا، جہاں ایک ہفتے تک زیرِ علاج رہے۔

جب ڈاکٹروں نے مایوسی ظاہر کرتے ہوئے گھر لے جانے کا مشورہ دیا تو رمضان المبارک کی ستائیسویں شب میں آپ کو ایمبولینس کے ذریعے دوبارہ دارالعلوم آگرہ لایا گیا۔

حضرت کے معتقدین، شاگردوں اور محبین نے اپنے محبوب شیخ کی عیادت اور آخری زیارت کی سعادت حاصل کی۔

بعدازاں آپ کو آگرہ سے اپنے آبائی وطن، بتیا مغربی چمپارن منتقل کیا گیا۔

ایک دن بعد، 28 رمضان المبارک کو غروبِ آفتاب سے تقریباً پندرہ منٹ قبل آپ نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون**

اگلے روز، 29 رمضان المبارک بعد نمازِ ظہر، آپ کے فرزند جناب قاری سعید احمد صاحب، مرکزی ناظم دارالعلوم آگرہ، نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

نمازِ جنازہ میں اہلِ علم، تلامذہ، متعلقین اور عوام کی بڑی تعداد نے شرکت کی اور اشک بار آنکھوں کے ساتھ اپنے محسن اور مربی کو سپردِ خاک کیا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے۔

اختتامیہ:

حضرت مولانا ابو البرکات صاحب مظاہری رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی عزم و ہمت، اخلاص وللّٰہیت، استقامت اور خدمتِ دین سے عبارت تھی۔ آپ نے جس بے سروسامانی میں دارالعلوم آگرہ کی بنیاد رکھی، وہ اہلِ عزم کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

یہ مختصر تذکرہ آپ کی زندگی کے صرف چند نمایاں گوشوں کا احاطہ کرتا ہے، ورنہ حقیقت یہی ہے کہ:

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے۔

☆☆☆

سارا چمن اداس ہے کہ مالی چلا گیا

حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب مظاہری

حیات وخدمات کے چند نقوش

مولانا سرفراز احمد قاسمی حیدرآباد

رابطہ:8099695186

جیسے جیسے عہد رسالت سے دوری بڑھ رہی ہے، قیامت قریب تر ہورہی ہے، روز بہ روز اہل اللہ، مشائخ اور اخیار وابرار دنیا سے اٹھتے جارہے ہیں، گزشتہ چند برسوں سے تو جبال علم و عمل، رجال کار، وارثان انبیاء اور حاملان شریعت وطریقت، داعیان دین ومذہب اتنی تیزی سے راہی اجل ہوئے ہیں، جیسے تسبیح کے دانے یکے بعد دیگرے زمین پر گرتے چلے جاتے ہیں، اہل اللہ اور علماء کا اتنی تیزی سے اٹھ جانا بھی علامات قیامت میں شمار کیا گیا ہے، ادھر کچھ دنوں سے ہم لوگوں کو ہر تھوڑے دن پر ایک تعزیتی تحریر کسی شخصیت سے متعلق لکھنی ہی پڑتی ہے، حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہیں آج جبکہ ماہنامہ اذان بلال، حضرت مولانا کی حیات وخدمات کے حوالے سے خصوصی شمارہ شائع کررہا ہے تو اپنے حافظے کی مدد سے ان سے وابستہ اپنی یادوں کو سپرد قرطاس کررہا ہوں۔

28 رمضان المبارک بمطابق 18 مارچ 2026 کو سوشل میڈیا کے ذریعے یہ افسوسناک خبر موصول ہوئی کہ ہمارے حضرت، دارالعلوم آگرہ کے بانی، مبانی اور روح رواں حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب مظاہری اس دار فانی سے رخصت ہوگئے، خبر سنتے ہی جلدی

جلدی میں اناللہ واناالیہ راجعون زبان سے جاری ہوگیا، چونکہ حیدرآباد میں افطار کا وقت ہوچلاتھا اس لیے خبر کی مزید تحقیق افطار کے بعد کی گئی،تصدیق کے بعد ایک چھوٹی سی خبران الفاظ کے ساتھ میں نے سوشل میڈیا پر جاری کردی جو کافی وائرل ہوگئی اور بڑی تعداد میں لوگوں کےفون آنے لگے وہ خبر یہ تھی کہ

''دارالعلوم آگرہ کے مہتمم حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب مظاہری کا انتقال''

اناللہ وانا الیہ راجعون

یہ خبر انتہائی افسوس ناک ہے کہ ملک کے نامور عالم دین، دارالعلوم آگرہ کے بانی ومہتمم حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب مظاہری و ایڈیٹر ماہنامہ اذان بلال آگرہ ابھی کچھ دیرقبل انتقال کرگئے،اللہ تعالی انکی خدمات کوقبول فرمائے اور درجات کو بلند فرمائے،حضرت مولانا مرحوم طلبہ کےحق میں انتہائی شفیق،مہربان اورنرم دل تھے،وہ طلبہ کے بڑے خیرخواہ تھےاورقدم قدم پرانکی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ناچیز سے بھی بڑی محبت اورشفقت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔فون پر جب کبھی رابطہ ہوتا تو ہماری سرگرمیوں کا جائزہ ضرور لیتے،کئی بار دہلی کے اخبارات میں میری تحریر دیکھ کر انتہائی خوشی کا اظہار فرمایااورفون کرکے حوصلہ افزائی کی۔ناچیز نے انکی شفقت و محبت کا بھرپور فائدہ اٹھایا،ادھر کچھ دنوں سے حضرت مولانا،صاحب فراش تھے،بالآخرآج وقت موعود آپہونچااوراس دارفانی سے رخصت ہوگئے،رب کریم انکی خدمات کوقبول فرمائے اور درجات کو بلند فرمائے،احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ تفصیلی تحریر بعد میں ان شاءاللہ۔

سرفراز احمد قاسمی حیدرآباد

28 رمضان المبارک بروز چہارشنبہ 2026

شوال میں ہم لوگ دیوبند گئے،وہاں داخلہ امتحان کی تیاری کررہے تھے کہ اسی موقع پر دارالعلوم کے دروازوں اورشہر دیوبند کے چوک چوراہوں پر جگہ جگہ مختلف مدارس کا اشتہار لگا ہوا

دیکھا، جو عام طور پر طلبہ کو راغب کرنے کیلئے مدارس کی جانب سے لگایا جاتا ہے، جو طلبہ دارالعلوم کے داخلہ امتحان میں ناکام ہو جاتے ہیں، اس اشتہار کے ذریعے ایسے طلبہ اپنی سہولت کے اعتبار سے ان اداروں میں حصول تعلیم کیلئے چلے جاتے ہیں اور ان اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان میں دیوبند کے قرب وجوار کے علاوہ دور دراز کے مدارس بھی ہوتے ہیں، طلبہ کو رغبت دلانے کے لئے بہت سے مدارس اپنے یہاں طلباء کو دی جانے والی سہولتوں اور وظائف وغیرہ کا اعلان کرتے ہیں، ہم لوگ جب داخلہ امتحان سے فارغ ہو گئے اور دارالعلوم کی لسٹ میں ہمارا نام نہیں آیا تو اب ہمارے پاس دو راستے تھے ایک تو یہ کہ واپس حیدرآباد لوٹ جایا جائے اور دوسرا یہ کہ وہیں کسی ادارے میں داخل ہو کر آگے کی تعلیم جاری رکھی جائے، چنانچہ مشورے کے بعد ہم نے حیدرآباد لوٹنے کا ارادہ ترک کر دیا اور قریب کے کسی ادارے میں داخل ہو کر پڑھنے کا عزم کر لیا گیا، اب سوال یہ تھا کہ کہاں داخلہ لیا جائے؟ اسی درمیان کئی جگہوں پر ایک نمایاں اشتہار نظر سے گذرا، جس میں دارالعلوم آگرہ لکھا ہوا تھا اور وہاں طلبہ کو دی جانے والی سہولتوں کا ذکر اشتہار میں نمبر وار نمایاں طور پر درج تھا، مشورے کے بعد دارالعلوم آگرہ جانے کا ذہن بنالیا گیا، اب سوال یہ تھا کہ آگرہ کیسے جایا جائے؟ اشتہار میں مہتمم صاحب کا رابطہ نمبر موجود تھا، اس نمبر پر ہم لوگوں نے فون کیا تو ہمارے سلام کرنے سے پہلے ادھر سے سلام کی آواز آئی، ہم نے جواب دیا اور خیر خیریت کے بعد پوچھا، حضرت ہم لوگ دیوبند سے بات کر رہے ہیں آپ کے دارالعلوم آگرہ آنا چاہتے ہیں کیا صورت ہوگی؟ ادھر سے جواب آیا کہ بہت آسان ہے، ہمارے مدرسے کے ایک استاذ وہیں دیوبند میں فلاں جگہ پر ہیں یا تو آپ انکے ساتھ آجایئے یا نہیں تو فلاں فلاں وقت میں آگرہ کیلئے ٹرین ہے، بذریعہ ٹرین آپ حضرات آگرہ کینٹ اسٹیشن آجائیں اور ہم یہاں سے آپ کو رسیو کر لیں گے، ہم لوگ کئی ساتھی دیوبند سے تاج محل کے شہر آگرہ کے لیے بذریعہ ٹرین روانہ ہو گئے، کئی گھنٹوں کے سفر کے بعد آگرہ کینٹ

اسٹیشن پر ہماری ٹرین رکی اور ہم لوگ ٹرین سے اتر گئے،اسٹیشن سے باہر آئے تو دیکھا کہ وہاں سفید کلر کی بولیرو کار ہمارے استقبال کیلئے کھڑی ہے،اس میں ایک ڈرائیور بھی موجود تھے جو ہمارا انتظار کررہے تھے،ڈرائیور صاحب ہمارا حلیہ دیکھ کر ہماری جانب لپکے اور ہم سے کہا کہ چلئے ہم دارالعلوم آگرہ سے آپ کے استقبال کے لیے یہاں موجود ہیں،آیئے تشریف لایئے اور پھر ہم لوگ بولیرو کار میں سوار ہوگئے،ڈرائیور نے اسٹیرنگ سنبھالی اور کچھ ہی دیر میں ہم لوگ محلّہ پیر جیلانی آگرہ پہنچ گئے،شام کا وقت ہو چکا تھا،ڈرائیور نے وہاں پہونچ کر ہماری رہنمائی کی کہ مدرسہ یہیں پر واقع ہے،آپ حضرات اپنا سامان رکھ کر فریش ہوجائیں،چنانچہ ہم لوگ ایک کمرے میں سامان وغیرہ رکھنے کے بعد نہاں دھوکر فریش ہو گئے اور دوسرے دن داخلے کی کاروائی میں لگ گئے،فارم وغیرہ پر کرنے اور داخلے کے مراحل سے گزرنے کے بعد ہماری ملاقات حضرت مہتمم صاحب سے دفتر اہتمام میں ہوئی،یہی ہماری پہلی ملاقات تھی،پھر جب ہم لوگوں کا داخلہ وہاں ہو گیا تو حضرت مولانا اگر مدرسے میں ہوتے تو ان سے تقریبا روزانہ ملاقات ہوجاتی،چونکہ ہمارے اسباق بھی ان سے متعلق کیے گئے تھے،اس لیے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوتا اور استفادہ کیا جاتا،دوران درس عبارت خوانی وغیرہ کی ذمہ داری یہ ناچیز ہی ادا کرتا،اس لیے دوران درس اساتذہ کے مخاطب ہم ہی ہوتے،حضرت مولانا اکثر سفر میں رہتے،مدرسے میں ان کا بہت کم وقت گزرتا،جب سفر پر روانہ ہوتے تو اپنی کتاب کسی دوسرے استاذ سے متعلق کرجاتے اور نصاب کے تکمیل کی ہدایت بھی دے دیتے،جب مدرسے میں ہوتے تو پابندی سے متعلقہ اسباق پڑھانے کا اہتمام کرتے تھے،بخاری اور مشکوٰۃ جیسی اہم کتاب ان سے متعلق ہوتی تھی،اسلئے طلباء کو نہ صرف یہ کہ اسباق پڑھاتے تھے بلکہ اکثر طلبہ سے انکی ضروریات اور پریشانیاں بھی معلوم کرتے اور اسکی تکمیل کیلئے بے چین رہتے،محنت سے پڑھنے کی تاکید کرتے،اس طرح طلبہ کا تعلیمی سال خوشگوار ماحول میں گزر جاتا اور سال کے

اختتام پر یہ محسوس ہوتا کہ کتنی سرعت کے ساتھ تعلیمی سال پورا ہوگیا، درمیان سال کئی ایسے مواقع خود میرے ساتھ پیش آئے جسے بھلایا نہیں جاسکتا، حضرت مولانا کا بے انتہا مشفقانہ برتاؤ، محبت اور طلباء کے تئیں ان کی خیر خواہی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، ہم لوگوں کو ہفتے، دو ہفتے مدرسے میں ہوئے ہونگے کہ فجر کی نماز میں ایک دن امام صاحب نہیں تھے، مسجد میں جماعت کا وقت ہو گیا، ہمارے بعض استاذ نے مجھ سے کہا کہ چلیے آپ نماز پڑھایئے، ہم نے حکم کی تعمیل میں نماز پڑھادی، نماز کے بعد جب میں نے سلام پھیرا تو پیچھے کی صف میں دیکھا کہ حضرت مہتمم صاحب بھی تشریف فرما ہیں، حالانکہ حضرت مولانا جب مدرسے میں ہوتے تو نماز کی پابندی تو کرتے لیکن مسجد میں نماز کے لیے کم تشریف لاتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ ضعف کی وجہ سے سیڑھیوں سے چڑھنے، اترنے میں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، بار بار اترنا، چڑھنا ان کے لیے مشکل تھا، تیسری منزل پر آفس اور انکا کمرہ تھا، وہیں نماز ادا کرتے تھے لیکن کبھی کبھار جائزہ لینے اور نماز کے بہانے مسجد میں ضرور تشریف لے جاتے، اس دوران بچوں کی تعلیم وتربیت اور اساتذہ کی کارکردگی پر ایک نظر ضرور ڈالتے، کوئی چیز قابل اصلاح ہوتی تو اس کی نشاندہی فرماتے، گویا وہ مدرسے کے حالات، طلباء کی نقل وحرکت اور اساتذہ کی سرگرمیوں سے بے خبر نہیں بلکہ باخبر رہتے، نماز ہوگئی تو اس دن کچھ دیر کے بعد مجھے حضرت مولانا نے کسی خادم کے ذریعے آفس میں بلوایا، میں ڈرتے ڈرتے حاضر خدمت ہوا اور سلام کیا تو حکم ہوا کہ اندر آیئے اور بیٹھ جایئے، میں نے حکم کی تعمیل کی اور ایک طرف کونے میں بیٹھ گیا، حضرت مولانا اسوقت کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے، کچھ دیر کے بعد نظر اٹھائی اور میری جانب دیکھ کر فرمانے لگے کہ آج فجر کی نماز آپ نے پڑھائی؟ میں نے ڈرتے ڈرتے ہاں میں جواب دیا تو فرمانے لگے ماشاء اللہ آپ کی آواز اور تلاوت تو بہت اچھی ہے، اس کے بعد فرمایا کہ آپ نے قرآن کہاں سے حفظ کیا اور کہاں پڑھا؟ اس طرح کے کئی سوالات کچھ منٹ تک وہ مجھ سے کرتے

رہے اور میں اسکا جواب دیتا رہا، بات کرتے کرتے ایک دم، اچانک سے کھڑے ہوگئے، پیچھے الماری تھی اسے کھولا اور کچھ نکالا پھر مصافحے کے لیے میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ جایئے محنت سے پڑھیئے، کوئی ضرورت ہوتو ہم سے ضرور بتایئے، میں مفتی عبدالقدوس صاحب سے کہہ دوں گا کہ وہ جہری نماز پڑھانے کی ذمہ داری آپ کو دیدیں۔سلام مصافحہ کے بعد میں دفتر سے باہر نکلا اور دیکھا تو میرے ہاتھ میں ایک اچھی خاصی رقم تھی جو میری حوصلہ افزائی کے لیے مولانا نے عنایت فرمایا تھا، اس کے بعد بھی کئی ایسے مواقع آتے رہے، جب میں مولانا کی خردنوازی، حوصلہ افزائی اور ان کی شفقت ومحبت سے بھرپور استفادہ کرتا رہا، وہ طلباء سے متعلق کسی طرح کے کمپرومائز کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے، چاہے وہ تعلیم کا مسئلہ ہو یا پھر دیگر کوئی اور معاملہ ہو، ہمیشہ طلباء کے حق میں ڈٹے رہتے اور طلباء کے خلاف بہت کم سنتے تھے، اساتذہ کو بھی ہمیشہ یہی تاکید کرتے کہ طلباء کے ساتھ جہاں تک ہوسکے خیرخواہی اور ہمدردی کا مظاہرہ کیا جائے، شاید اسی لئے وہ مدرسے کی ایک ایک چیز پر باریکی سے نظر رکھتے، مدرسے میں کھانا کیا بن رہا ہے؟ طلباء کو کونسا کھانا مل رہا ہے، کھانے میں کوئی شکایت تو نہیں ہے؟ طلباء کو بلاکر پوچھتے آج کھانے میں کیا بنا تھا؟ کھانا کیسا تھا وغیرہ وغیرہ، حضرت مولانا بیک وقت مدرسے کے شیخ الحدیث بھی تھے، بہترین ناظم ومنتظم بھی، اذان بلال کے ایڈیٹر بھی اور سب سے بڑھکر وہ طلبا کے محسن ومربی بھی تھے، دنیا بھر کے حالات سے باخبر رہنے کے لئے پابندی سے اخبارات کا مطالعہ بھی کرتے، کئی بار تو صبح صبح بازار سے مجھ سے اخبار منگواتے، طلباء کے سالانہ اور مسابقاتی پروگرام میں ناچیز نے بھی کسی عنوان پر تقریر میں حصہ لیا، اس میں میری پوزیشن آئی، جب انعامی تقریب منعقد ہوئی تو میری تقریر سن کر حضرت مولانا اتنے خوش ہوئے کہ مجھے دفتر بلاکر فرمایا کہ یہ تقریر تو آپ نے کسی کتاب سے یاد نہیں کی ہے، کس نے تیار کیا ہے؟ میں نے بتایا کہ حضرت یہ تقریر میں نے خود لکھی ہے اور اپنے سے تیار کی

ہے،تقریرانکواتنی پسندآئی کہ دوبارہ مجھ سے دفتر میں سنااورحوصلہ افزائی فرمائی،اس طرح اوربھی کئی مواقع ایسے آئے جن سے میں مستفید ہوتا رہا،ششماہی اور سالانہ پروگرام میں ناچیز کی اول پوزیشن آئی تو اس موقع پربھی حضرت مولانا نے انعام و اکرام سے نوازا اورحوصلہ افزائی فرمائی۔اس طرح طلبہ کی حوصلہ افزائی اوران کی خیرخواہی کا میں مشاہدہ کرتا رہا،درس میں اکثر بزرگوں کے کوئی اہم واقعات ضرورسناتے اورفرماتے کہ میں سفرمیں جانانہیں چاہتالیکن مجبورا صرف اسلئے جاتاہوں کہ آپ لوگوں کی ذمہ داری میرے سرہے،کم ازکم اتنا انتظام تو ہوجائے جس سے آپ حضرات کے کھانے،پینے اور وظیفہ وغیرہ کے جو اخراجات ہیں وہ پورے ہوجائیں،صرف اسی فکرکولے کرمیں سفرمیں جاتاہوں اورمیرا کوئی دوسرا مقصدنہیں ہوتا،آپ کی ضروریات کا بہتر سے بہترنظم ہوبس اسی لئے میں سفرکرتاہوں،انکا دعوی تھا کہ ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند کے بعد طلباء کو معیاری کھانا،میرے علاوہ کوئی نہیں دیتا،میں چاہتاہوں کہ میرے یہاں کے طلباء کوساری چیزیں معیاری فراہم کی جائیں،کیونکہ آپ مہمان رسول ہیں اورمہمان رسول کی جتنی تکریم کی جائے وہ کم ہے،انکے اکثر اسفارامریکہ اور دیگرممالک کے ہوتے تھے،اس وقت طلباء کے درمیان یہ مشہور تھا کہ ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ غیرممالک کے اسفارکوئی عالم کرتے ہیں تو وہ ہمارے حضرت مہتمم صاحب ہی ہیں،سال کے اخیر میں ہم لوگ درس مسلسلات میں شرکت کے لیے آگرہ سے سہارن پور جامعہ مظاہر گئے تو وہاں حضرت مولانا شیخ یونس صاحب مظاہری رحمہ اللہ مسندحدیث پر جلوہ افروز تھے،درس مسلسلات میں شرکت کے بعدہم لوگ حضرت شیخ سے ملاقات کیلئے انکے کمرے میں گئے تو حضرت شیخ یونس صاحب نے ہم سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ ہم نے جب دارالعلوم آگرہ کا نام بتایا تو بہت خوش ہوئے اورفرمایا کہ اچھادارالعلوم آگرہ سے آئے ہو؟ مولوی ابوالبرکات صاحب کے یہاں سے؟ "مدرسے کامہتمم تو مولوی ابوالبرکات مظاہری جیسا

ہونا چاہیے"۔حضرت شیخ یونس صاحب سے جولوگ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرت شیخ سخت مزاج کے حامل،منفرد مزاج رکھتے تھے،بڑے اللہ والے،ملک کے ممتاز اورجلیل القدرمحدث میں انکا شمار ہوتا تھا،مولانا ابوالبرکات صاحب انکے شاگردوں میں تھے،اتنی عظیم شخصیت اگراپنے کسی شاگرد کے بارے میں ایسی بات کہےتو یہ کم بڑی بات نہیں ہے،میرے نزدیک یہ بڑی سند ہے۔کئی سال کے بعد ایک دن مولانا ابوالبرکات صاحب کا میرے پاس فون آیا،انکا نمبر سیونہیں تھا،فون اٹھایا تو ادھر سے سلام کی آواز آئی اورفرمانے لگے دارالعلوم آگرہ سے ابوالبرکات مظاہری بول رہاہوں،میں خوش ہوگیااور کچھ دیر کیلئے سکتے میں آگیا،فورا سنبھلا اورعرض کیا کہ حضرت کیسی ہے آپ کی طبیعت؟ فرمانے لگےٹھیک ہوں،پھرمیری خیر خیریت دریافت کرنے کے بعدفرمایا آج اخبار پڑھ رہا تھا،اس میں آپ کی تحریرنظر سے گذری تو خیال آیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ ذرا تعارف ہوجائے،نمبرتحریر کے ساتھ موجود تھا اسلئے فون لگایا،تصویر دیکھ کرلگتا ہے کہ آپ یہاں کے طالب علم رہے ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو بہت خوش ہوئے اورحوصلہ افزائی کرنے لگے،کافی دیرتک باتیں ہوئیں،اسکے بعد یہ سلسلہ جاری ہوگیا،وقفے وقفے سے میں بھی فون کے ذریعے انکی خیرخیریت لے لیتا یا کبھی حضرت مولانا کا ہی فون آجاتا اورخوشخبری سناتیکہ آج کے اخبار میں ماشاءاللہ آپ کی تحریر شائع ہوئی ہے،مبارک ہو،لکھتے رہیئے،آپ اچھے موضوع کا انتخاب کرتے ہیں،وغیرہ وغیرہ ایک بارفون پر ہی کہنے لگے کہ آپ آگرہ آکراذان بلال کوسنبھالئے،میں اذان بلال کیلئے آپ جیسے سنجیدہ صاحب قلم کی تلاش میں ہوں،اب میری عمر بھی ہوچکی ہے۔بہرحال یہ انکی خردنوازی،اپنائیت اورمحبت وشفقت کی دلیل تھی کہ وہ ہم جیسے طالب علموں کو اتنی اہمیت دیتے تھے،طبیعت کی ناسازی کے باوجودتحریرطویل ہوتی جارہی ہے،اب آیئے ذرا ایک نظرانکے احوال وخدمات پر ڈالی جائے۔

پیدائش اور تعلیم وتعلم

حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب مظاہری کی ولادت باسعادت سرزمین چمپارن کے بھرواٹولہ نامی گاؤں میں ہوئی جومغربی چمپارن کا حصہ ہےاور بتیا شہر سےتقریبا25 کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے،آپ کے والد ماجد کا نام محمد یاسین ہے،یاسین صاحب نیک دل،شریف النفس،دینی مزاج کے حامل ایک کسان آدمی تھے اورکھیتی باڑی کرتے تھے،مولانا سیدشاہدمظاہری صاحب اس تعلق سے لکھتے ہیں کہ "آپ کے والد کا نام محمد یاسین ہے،یکم جنوری1948 عیسوی مطابق 18 صفرالمظفر 1367 ہجری میں مغربی چمپارن بہار میں آپ کی ولادت ہوئی۔

(علمائے مظاہراورانکی علمی وتصنیفی خدمات)

یاسین صاحب کا خاندان ایک شریف خاندان تھا،مولانا ابوالبرکات صاحب اپنے بہن،بھائیوں میں سب سے بڑےاوراس خانوادے کے اہم سپوت تھے،آپکی کامیابی کے آثارکم سنی سےہی ظاہرہونے لگے تھے،حصول علم کا شوق اوردلچسپی بچپن سےتھی،ابتدائی تعلیم کا آغازمدرسہ ریاض العلوم ساٹھی چمپارن سے ہوااورتکمیل حفظ جامعہ اسلامیہ قرآنیہ سمرا،چمپارن میں حافظ خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم کے پاس کی،پھرگورکھپور کی ایک مسجد میں فارسی وعربی درجات کی ابتدائی کتابیں پڑھیں،اسکے بعد جامع العلوم پٹکاپور،کانپورمیں آپ نےمشکوٰۃ تک کی تعلیم حاصل کی،اور دورۂ حدیث کے لیےمظاہرعلوم سہارنپورتشریف لے گئے،وہاں آپ نے بخاری شریف شیخ الحدیث حضرت مولانا شیخ زکریا علیہ الرحمہ،حضرت مولانا شیخ یونس صاحب جونپوری رحمہ اللہ کے علاوہ اس وقت کے اکابراساتذہ سے احادیث کی دیگرکتابیں پڑھیں،مولانا سیدشاہدصاحب رقم طراز ہیں کہ "بعدازاں مدرسہ جامع العلوم کانپورمیں کافیہ قدوری سےمشکوٰۃ شریف تک تعلیم حاصل کرکےسہارن پورآگئےاورجامعہ مظاہرعلوم میں داخلہ

لے کر 1387 ہجری میں دورہ حدیث شریف پڑھ کر شعبان 1388 ہجری میں فراغت پائی،آپ نے بخاری شریف جلد اول حضرت شیخ سے، بخاری جلد دوم اور ترمذی شریف مولانا مفتی مظفر حسین صاحب سے،ابوداؤد شریف مولانا محمد عاقل صاحب سے،طحاوی شریف مولانا اسعداللہ صاحب سے،مسلم شریف،نسائی،ابن ماجہ اور مؤطین مولانا محمد یونس صاحب سے پڑھی ہے۔

(ملاحظہ ہو،علمائے مظاہر اور انکی علمی وتصنیفی خدمات)

درس وتدریس کا آغاز

فراغت کے بعد آپ نے جامع العلوم کانپور سے اپنے تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا 14/15 سال مستقل جامع العلوم کانپور میں درس وتدریس سے وابستہ رہے اور یہاں درس نظامی کی مختلف کتابیں پڑھائیں،مفتی اعظم ہند حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی،حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی،حضرت شیخ زکریا رحمہم اللہ کے علاوہ اس وقت کے دیگر اکابرین سے آپ کا بڑا گہرا ربط وتعلق تھا،آپ کی ترقی وبلندی میں ان تمام اکابرین کی دعائیں شامل تھیں،نا مساعد حالات کی وجہ سے آپ کانپور چھوڑ کر چلے آئے اور اپنے آبائی وطن مدرسہ اسلامیہ بتیا،چمپارن میں بحیثیت صدر مدرس کے عہدے پر مامور کئے گئے،تقریبا 5 سال وہاں رہے، یہاں بھی فضاء آپ کے مخالف ہونے لگی تو آپ راجستھان کے سوائی مادھے پور تشریف لے گئے اور دین کی اشاعت میں مصروف ہوگئے،طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے آپ نے اس جگہ کو بھی بہت جلدی خیرآباد کہہ دیا،اسکے بعد شہر آگرہ آپ کی آمد کا منتظر تھا، یہاں آپ کی تشریف آوری ہوئی، مدرسہ افضل العلوم آگرہ میں بحیثیت مدرس تقرر ہوا، پھر ایک سال بعد آپ نے آگرہ ہی کے ایک دوسرے مدرسے تعلیم القران نامی ادارے میں کچھ دن تدریسی خدمات انجام دی،لوگوں کے رویے نے وہاں سے جانے اور اسے چھوڑنے پر بھی مجبور کردیا،کسمپرسی و

بے سروسامانی کی حالت میں آپ نے اپنے بڑوں سے مشورہ کیا اور اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے دارالعلوم آگرہ کا قیام عمل میں لایا، 1986 میں اس ادارے کی بنیاد رکھی، دارالعلوم آگرہ جب قائم ہوا تو حالات بہت نازک تھے، آپ نے دیگر احباب کو ساتھ لیکر توکل علی اللہ ادارے کی ترقی اور بلندی کے لیے قسم کھائی اور کمر باندھکر تن من دھن سے ادارے کی آبیاری شروع کی، آپ کی مخلصانہ جدوجہد اور بے مثال قربانیوں سے کچھ ہی برسوں میں یہ نوخیز ادارہ ملک کے ایک معیاری ادارے میں تبدیل ہوگیا، جہاں آج شعبہ پرائمری سے لیکر، درجہ حفظ، درجات عربی، دورہ حدیث اور افتاء تک کی تعلیم ہورہی ہے الحمدللہ۔

مولانا سید شاہد صاحب ادارے کے قیام اور اسکے بانی مبانی کے پس منظر کو ان الفاظ میں درج کرتے ہیں کہ

''موصوف نے مظاہر علوم سے فراغت کے بعد جامع العلوم کانپور سے اپنا علمی رشتہ استوار کیا اور متواتر 15 سال یہاں درس نظامی کی مختلف اور متعدد کتابیں پڑھانے کے بعد آگرہ منتقل ہوگئے اور وہاں کی سرزمین میں ایک ادارہ دارالعلوم آگرہ قائم کر کے اپنی مادر علمی کا علمی فیضان وہاں سے جاری کیا، موصوف اپنے اس قائم کردہ ادارے کے مہتمم ہونے کے ساتھ ساتھ شیخ الحدیث بھی ہیں، مولانا ابوالبرکات صاحب موصوف نے یہ ادارہ رجب 1406 ہجری میں اس جذبے کے ساتھ قائم کیا تھا کہ سرزمین آگرہ میں ایک علمی، دینی واصلاحی درسگاہ قائم کر کے علوم دینیہ، نبویہ کی توسیع واشاعت کی جائے، اس مقصد کے لیے آپ نے اولا ایک وسیع اراضی خریدی جو اپنے نشیب وفراز کے اعتبار سے بڑی ناہموار تھی، موصوف نے بڑی جانفشانی اور ہمت ومحنت سے اس کو قابل تعمیر بنایا اور ایک عظیم الشان پانچ منزلہ عمارت تعمیر کرادی جس میں مدرسے کے تمام شعبہ جات کے دفاتر، طلباء کے لیے رہائشی کمرے، مہمان خانہ، مسجد اور مطبخ وغیرہ بنے ہوئے ہیں، 22 اگست 1992 مطابق 22 صفر 1413ھ دارالعلوم آگرہ کی مسجد کا

سنگ بنیاد حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی کے دست مبارک سے رکھا گیا، جبکہ سابقہ مسجد اس قدر چھوٹی تھی کہ نماز دو قسطوں میں ادا ہوتی تھی یعنی پہلے ایک جماعت نماز ادا کرتی تھی باقی لوگ باہر کھڑے منتظر رہتے تھے اور پھر انکے فراغ پر دوسری جماعت نماز ادا کرتی تھی، نیز ماہ شوال سنہ 1417 ہجری سے باضابطہ طور پر یہاں دارالافتاء کا قیام عمل میں آیا اور دو مفتیان کرام کا پہلے ہی دن سے تقرر ہو کر فتاوی نویسی کا آغاز ہو گیا، مولانا ابوالبرکات صاحب کے حسن اخلاص اور سعی پیہم سے اب اس ادارے میں دورہ حدیث شریف تک درس نظامی مکمل پڑھایا جارہا ہے، حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی کو دارالعلوم اور بانی دارالعلوم سے بہت تعلق خاطر تھا، کثرت کے ساتھ آپ یہاں تشریف لاتے، اپنی دعاؤں اور دلی توجہات سے ادارے کو نوازتے تھے، چنانچہ ان کی پراثر دعائیں بارآور ثابت ہوئی، مولانا مرحوم کے دلی تعلق کا اندازہ اس واقعے سے ہوسکتا ہے کہ جب اس دارالعلوم کا پورا تعلیمی نظم وانتظام پھوس کے چھپر میں چل رہا تھا تو حضرت موصوف نے اس کے احاطے میں بڑے اعتماد کے ساتھ اپنی تقریر میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ انشاء اللہ عنقریب ہی یہ دین کا قلعہ چھپر سے پختہ عمارت میں تبدیل ہو جائے گا، چنانچہ آپ کی یہ بات حرف بحرف پوری ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ چھپر ایک بلند بالا پختہ عمارت میں بدل گیا، مظاہر علوم کے زمانہ قیام میں آپ نے اپنا روحانی تعلق حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ سے قائم کرلیا تھا، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے بھی نیازمندانہ اور عقیدت مندانہ تعلق تھا چنانچہ چار مرتبہ حضرت نور اللہ مرقدہ کے ساتھ ماہ رمضان میں جامعہ مظاہر علوم کی مسجد میں اعتکاف میں شرکت کی سعادت آپ کو نصیب ہوئی''

(علمائے مظاہر اور انکی علمی وتصنیفی خدمات)

دارالعلوم آگرہ کے علاوہ شہر آگرہ میں ہی ادارے کی دو بڑی شاخیں قائم ہیں جن میں سے ایک کا نام مدرسہ بلال ہے اور دوسرا معہد عثمان بن عفان کے نام سے ہے، دونوں ادارے اپنی

خدمات انجام دے رہے ہیں، دینی اداروں کے علاوہ آپ نے کئی عصری ادارے بھی قائم کئے جو چمپارن کے علاقوں میں چل رہے ہیں۔

ماہنامہ اذان بلال کی اشاعت

علم دین کی نشرواشاعت اور اسکی ترویج وتبلیغ کے لیے آپ صرف ان اداروں تک ہی محدود نہ رہے بلکہ ایک معیاری میگزین، ماہنامہ اذان بلال بھی خوبصورت ٹائٹل اور معیاری مضامین کے ساتھ دارالعلوم آگرہ سے جاری فرمایا، حضرت مولانا کی حیات میں اذان بلال پابندی سے شائع ہوتا رہا اور بڑی تعداد میں لوگ اس سے استفادہ کرتے رہے۔

مولانا سید شاہد صاحب اس بارے میں لکھتے ہیں کہ ''دارالعلوم آگرہ سے آپ ایک علمی اور دینی مجلّہ اذان بلال کے نام سے اچھے اور عمدہ پیمانے پر شائع کررہے ہیں، یہ مجلّہ اپنے علاقے میں خصوصیت کے ساتھ عوامی واصلاحی خدمات انجام دے رہا ہے۔'' (دیکھئے حوالہ سابق)

اذان بلال پہلی بار کب جاری ہوا؟ اس کا پہلا شمارہ کس سن میں منظر عام پر آیا؟ اسکا علم نہیں ہوسکا لیکن اتنا طے ہے کہ دارالعلوم آگرہ کے قائم ہونے کے دو تین سال بعد ہی یہ رسالہ جاری ہوا ہے یعنی 1990ء تک اسکا اجرا ہو چکا تھا، اس رسالہ کو جاری کرنے کا اصل مقصد اساتذہ وطلباء کے اندر تحریری صلاحیت پیدا کرنا تھا، اسی لئے درس قرآن اور درس حدیث جیسے عناوین اساتذہ کے لیے خاص تھے، دیگر موضوعات پر بھی اساتذہ خامہ فرسائی کرتے تھے، چنندہ طلباء کی تحریریں بھی شامل اشاعت ہوتی تھی، اداریہ کے لئے بہتر سے بہتر مضمون کا انتخاب کیا جاتا تھا، مدرسے کے احوال وکوائف، کارگزاری، امتحانی رپورٹ اور تعلیمی سرگرمیاں بھی اس میں پابندی سے شائع کی جاتی تھی، اسطرح یہ ایک معیاری رسالہ بن گیا جسکا قارئین کو شدت سے انتظار رہنے لگا، ابتداء یہ رسالہ معاونین اور پڑھنے لکھنے والوں میں مفت تقسیم کیا جاتا تھا، بعد میں

اسکی کچھ ممبری فیس مقرر کردی گئی،اس رسالے نے بھی ادارے کی تعمیر وترقی میں اہم کردار ادا کیا۔خدا کرے کہ یہ رسالہ جاری رہے اور پہلے کی طرح پابندی سے اسکی اشاعت ہوتی رہے،موجودہ ذمہ داران کواس پرتوجہ کرکے اسے یقینی بنانا چاہئے۔

مرض الوفات اورآخری سفر

وفات سے کئی ماہ قبل حضرت مولانا مرحوم مختلف امراض کا شکار ہوگئے تھے،یادداشت بھی متاثر ہوگئی تھی،اسی وجہ سے متعلقین نے بہترنگہداشت کیلئے انھیں انکے آبائی وطن چمپارن میں رکھنے کا فیصلہ کیا اور وہاں منتقل کردیئے گئے،اسکے باوجود آپ کو ادارے کی فکر ہمہ وقت رہتی تھی،15 رمضان المبارک 1448 ہجری بوقت افطار آپ کی طبیعت ناساز ہوئی اورآگرہ کے ایک ہاسپٹل میں آپ کوداخل کرایا گیا لیکن طبیعت مزید بگڑتی گئی،سدھار کے کوئی آثار نہ دیکھ کر آپ کو دہلی کے ہولی فیملی ہاسپٹل ٹرانسفر کردیا گیا،عمر کے آخری پڑاؤ پر ڈاکٹر کے مشورے سے آپ کا آپریشن کیا گیا مگر وہ آپریشن کامیاب نہ ہوسکا،یہی آپریشن انکے لئے جان لیوا ثابت ہوا اورشاید رمضان المبارک کے قیمتی وآخری ایام آپ کے لیے مقدر تھا۔28 رمضان المبارک 1448 ہجری،چہارشنبہ کوافطار سے چندمنٹ قبل اپنے آبائی وطن چمپارن میں آپ نے آخری سانس لی،دوسرے دن 29 رمضان المبارک مطابق 19 مارچ 2026 جمعرات کے دن بعد نماز ظہر انکی نماز جنازہ ادا کی گئی،جنازے کی ادئیگی سے قبل ملک کے معروف عالم دین حضرت مولانا انیس الرحمٰن صاحب قاسمی نے چندمنٹ بیان فرمایااور جنازے کی امامت حضرت مولانا مرحوم کے جانشین اور دارالعلوم آگرہ کے جواں سال ناظم قاری سعیداحمد صاحب نے پڑھائی،دھوپ کی شدت کے باوجود سینکڑوں لوگ جنازے میں شریک ہوئے اورنم آنکھوں کے ساتھ ہزاروں من مٹی کے نیچےانھیں دفن کردیا گیا۔اسطرح بے شمارخوبیوں والی 76 سالہ یہ عظیم

شخصیت جنھوں نے تقریبا نصف صدی تک مذہب اسلام اور اسلامی علوم کی تبلیغ واشاعت کے لئے بے پناہ جدوجہد کی اور ایک دنیا کو اپنے علم کی روشنی سے منور کرتے رہے، بدعت وجہالت کی تاریکیوں میں ایک روشن چراغ جلا کر لوگوں کو راہ راست پر لانے کا فریضہ انجام دیتے رہے، ہمیشہ ہمیش کے لئے اس دارفانی سے رخصت ہوگئے،اور ہم جیسے ہزاروں شاگردوں،محبین، متعلقین اور دینی خدمت گذاروں کو تنہا کر گئے،حضرت مولانا کو اردو،عربی کے علاوہ انگریزی زبان پر بھی دسترس حاصل تھی،انا للہ وانا الیہ راجعون، پسماندگان میں اہلیہ، چار صاحبزادگان اور دو صاحب زادیاں ہیں،رب کریم تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے،آپ کی خدمات کو قبول فرمائے،درجات کو بلند فرمائے اور اپنے شایان شان آپ کو جگہ مرحمت فرمائے،دینی وعلمی حلقوں میں انھیں اور انکی روشن خدمات کو دیر تک یاد رکھا جائے گا۔ان شاءاللہ

(مضمون نگار،معروف صحافی اور کل ہند معاشرہ بچاؤ تحریک کے جنرل سکریٹری ہیں)

sarfarazahmedqasmi@gmail.com

☆☆☆

مولانا ابوالبرکات صاحب مظاہری نوراللہ مرقدہ کی شخصیت کوہ کن کی تھی

مولانا عبدالقیوم قاسمی مونگیری خادم دارالعلوم محمودیہ اون سورت گجرات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بہت ہی افسوس کے ساتھ یہ خبر پڑھنے (بنگلہ دیش میں جب کہ بندہ اپنے شیخ محترم مولانا ابراہیم پانڈور صاحب دامت برکاتہم کے جلو میں خانقاہ محمودیہ مدرسہ اشرف المدارس صدر جسر میں ہیں اور رمضان المبارک کی طاق راتوں میں سے ہے) کو ملی کہ ہمارے محسن خیرخواہ پیارے استاذ حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب مظاہری رحمۃ اللہ علیہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رمضان المبارک کے مقدس مہینے کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پایا اللہ حضرت کی بال بال مغفرت فرمائے ان کے درجات کو بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عنایت فرمائے۔آمین یا رب العالمین۔

حضرت کی ذات یقیناً ایک کوہ کن کی تھی میں نے دارالعلوم آگرہ جب بالکل ابتدائی حالت میں تھا اس وقت وہاں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔جب مولانا پہلے سال میں مدرسہ افضل العلوم تاج گنج آگرہ سے علیحدہ ہوکر وزیر پورہ تشریف لے گئے تو ہم چار بھائی۔سراج الدین عبدالقیوم نعیم الدین شمیم الدین ساتھ تھے۔پھر جب دوسرے سال میں مولانا وہاں سے بھی علیحدہ ہوگئے اور سیدنا ابوالعلیٰ کے درگاہ میں جاکر کے طلبہ کے ساتھ مکین ہوگئے وہاں کا یہ عالم تھا کہ ایک ہی کمرے میں سوطلباء کا سامان بے تکا پڑا ہوا تھا اور سونے کے لیے پختہ قبر کا پتھر قضاء حاجت کے لیے کھلی فضا۔روزانہ رات میں مزاریوں سے چہ مہ گوئی ہوتی رہتی تھی۔اور مولانا بتوکل علی اللہ کہتے جلد ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔

پھر اللہ سبحانہ وتعالی نے ایک خاص کرم فرمایا مولانا مجاہد صاحب کٹیہاری جو پیر کلیانی مسجد

کے امام تھے۔اوراب کٹیہار میں شاندار مدرسہ چلاتے ہیں ہمارے استاد ہیں۔ان کے ذریعے اور جناب عبدالسبحان بھائی رحمتہ اللہ علیہ جن کا اسی زمانے میں شاید کتا کے کاٹنے سے انتقال ہو گیا تھا۔ بہت اچھے انسان تھے انہوں نے پیر جیلانی میں آنے کی حضرت مولانا کو دعوت دی پیر جیلانی یہ قبرستان کا علاقہ ہے جب لوگ پاکستان جانے لگے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گورکن کو اس قبرستان کے کاغذات کو سپرد کر گئے اب وہ قبر کھودنے والے نے اس کو ایک آمدنی کا ذریعہ بنالیا اور تھوڑی تھوڑی زمین بیچ کر کے اپنی روزی روٹی چلاتے رہتے ہیں۔ ہمارے جناب عبدالسبحان بھائی نے قبرستان کی زمینوں میں سے کچھ مدرسے کے لیے خریداری کر رکھی تھی جب ان کو معلوم ہوا کہ مولانا ابوالبرکات صاحب کو مدرسے کے لیے جگہ کی ضرورت ہے یہ دونوں حضرات مولانا کے پاس آئے اور وہ جگہ دکھائی مولانا کو وہ جگہ بہت پسند آئی۔

اللہ اکبر جگہ کی یہ حالت تھی کہ ایک طرف تو کم سے کم 10 سے 12 فٹ اونچی اور دوسری طرف وہ جگہ 10 سے 12 فٹ گہری۔اور بے سروسامانی کا عالم مولانا کے ساتھ 100 سے زیادہ طلبہ بھی تھے ان کے قیام کا طعام کا اور ساری ذمہ داریاں بھی مولانا کے سر پر تھی مولانا عبدالمنان صاحب جونو فاضل میرے مخلص استاذ ہیں وہ بھی بہت ساتھ دے رہے تھے روزانہ دونوں بھائی سائیکل سے آج اس محلے میں تو کل اس محلے میں کبھی آٹے کی بوری لے کر آرہے ہیں کبھی چاول کی بوری لا رہے ہیں کبھی آلو کی بوری لا رہے ہیں کبھی پیاز کی بوری لا رہے ہیں بڑی کسمپرسی کا عالم تھا لیکن اتنی سی بات ضرور تھی کہ طلبہ خوب کھا رہے تھے اور ظاہر ہے اس قسم کے حالات میں پڑھائی کا نظام تو بہت اچھا نہیں تھا لیکن بہت خراب بھی نہیں تھا طلبہ اچھے بڑے بڑے تھے میرے گاؤں کے بھی بہت سارے طلبہ تھے سب نے مل کر کے عزم کیا کہ ہمیں اس زمین کو برابر کرنا ہے روزانہ عشاء کے بعد ہم لوگ سیدنا درگاہ سے پیر جیلانی تک جاتے تھے اور چار ساڑھے چار بجے رات تک برابر کھدائی کا سلسلہ جاری رہتا تھا کبھی کبھی قبر سے بوسیدہ ہڈیاں نکلتی تھی تو کبھی بوسیدہ کھوپڑیاں نکلتی تھی تو کبھی اور کوئی صورتحال مولانا سب کو ہمت دلاتے رہتے تھے اور کہتے تھے بالکل ڈرنا اور گھبرانا نہیں ہے خود اپنے ہاتھ سے ان ہڈیوں کو دوسری جگہ دفن فرما دیتے تھے اس طریقے سے اپنے خون کی قیمتی بوندیں لگا کر کے دارالعلوم آگرہ کو انہوں نے سینچا

ہے حضرت مولانا میں ایک خوبی یہ تھی کہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ بڑے بڑے اکابر اور علماء سے ان کا تعلق تھا حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ اور فقیہ الامت کے خادم خاص حضرت مولانا ابراہیم پانڈور صاحب دامت برکاتہم العالیہ حضرت مولانا سالم صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی مولانا اسلام صاحب دمکوی مولانا نسیم شاہ قیصر مولانا عدنان نبیرہ حضرت مولانا ابراہیم بلیاوی صاحب رحمتہ اللہ علیہ احتشام بھائی اور اکثر اکابر کو جلسے وغیرہ میں مدعو بھی کرتے رہتے تھے اسی طریقے سے بڑے بڑے مالداروں سے بھی ان کا تعلق تھا اور دارالعلوم اگرہ میں ان حضرات کو بھی مدعو کرتے رہتے تھے میرا تین چار سال دارالعلوم آگرہ میں بالکل شروع زمانے میں قیام رہا مولانا بالکل طلبہ کے لیے ہر وقت فدا فدا رہتے تھے اور ان کے آرام اور راحت کا برابر خیال رکھتے تھے عید وغیرہ میں عیدی اور نئے کپڑے سے ضرور نوازتے تھے درمیان میں بھی ان کا کہیں باہر ملک سفر ہوتا تھا تو خاص طلبہ کے لیے اور خادم طلبہ کے لیے ضرور بالضرور نئے جوڑے چپل اور دیگر سامان مہیا فرماتے تھے عموماً خرچے کے لیے پیسے بھی دیتے رہتے تھے سبزی وغیرہ لانے کے بعد پسماندہ عموماً طلبہ کو دے دیتے تھے جو ان کی خدمت کے اوپر مامور تھے باورچی وغیرہ کو بھی کچھ نہ کچھ دیتے رہتے تھے شروع زمانے کے جو اساتذہ تھے جیسے مولانا یوسف کھیری اناوی ماسٹر جمیل مولانا جواد مولانا نظام الدین مولانا لقمان وغیرہ کبھی گھر جاتے ہوئے کبھی اور کوئی موقع دیکھ کر کے ان کو بھی نوازتے رہتے تھے مولانا ایک باصلاحیت عالم دین تھے۔ جامع العلوم کانپور کے موقر اساتذہ میں تھے پھر وہاں سے علیحدہ ہو کر مدرسہ افضل العلوم تاج گنج آگرہ آئے اور وہاں سے علیحدہ ہو کر کے پھر مدرسہ تعلیم القران وزیر پورہ میں تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے علیحدہ ہو کر کے بہت بڑی ہمت کی شاید یہ پہلے شخص ہوں گے جنہوں نے دیار غیر میں اتنے بڑے ادارے کا باغ ڈول ڈالا ہو پھر جو ادارے کی ترقی کے لیے دنیا کو پھاندا اور ملکوں ملکوں کا دورہ کیا شاید ہی کوئی ملک ہو جہاں حضرت مولانا تشریف نہ لے گئے ہوں مولانا جہاں اردو کے ماہر ادیب تھے کہ زمانے تک اذان بلال کی ادارت سنبھالی وہیں فارسی اور عربی کے بہترین استاد تھے اور انگریزی رسم الخط اور اسپیکنگ یہ دونوں کے ماہر تھے آپ کی انگریزی بہت ہی اچھی تھی ہم

نے حضرت مولانا کو دیکھا کہ اپنے بال بچوں اہل وعیال سب کو مدرسے کے ترقی کے لیے تیاگ دیا تھا۔ہمیں شاید یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ ان کی اہلیہ باحیات ہیں کیونکہ کبھی گھر جانے کا نام ہی نہیں لیتے تھے کئی سالوں کے بعد ان کے صاحبزادوں سے جو ہمارے دوستوں میں ہیں مولانا مسعود صاحب سعود صاحب قاری سعید صاحب عزیزم راشد یہ سب اس وقت ہم لوگوں کے ساتھ تھے تو ان سے معلوم ہوا کہ نہیں والدہ باحیات ہے لیکن حضرت مولانا مدرسے کے ترقی دلانے کے لیے بالکل چمپارن بہار جاتے ہی نہیں تھے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ 15 سال کے اندر کبھی بہار نہیں گیے ہوں پھر بعد میں جانے لگے۔اور آج یہ خبر آئی کہ جہاں کی خاک تھی وہیں پیوند خاک ہو گئے یعنی اپنے گاؤں بھروا ٹولہ بتیا چمپارن بہار کی مٹی انہیں نصیب ہوئی اور وہیں وہ مدفون ہوئے اللہ سبحانہ وتعالی ان کی کامل مغفرت فرمائے ان کے درجات کو بلند فرمائے میں خصوصا ان کے تمام صاحبزادوں سے اور ان کے چچیرے بھائی استاد محترم جناب مولانا عبدالمنان صاحب قاسمی مہتمم اصحاب صفہ رنکتا آگرہ اور دارالعلوم اگرہ کے اساتذہ اور طلباء اور تمام ذمہ داروں سے اور اپنے پرانے دوست سعید بھائی سے تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ یہ حادثہ صرف آپ حضرات کے لیے نہیں، بلکہ ہم خدام کے لیے بھی ہے۔ہم سب بھی حضرت کے جدائی سے بہت غمگین ہیں اور حضرت کے رفع درجات کے لیے دعا کرتے ہیں اور تمام قارئین سے بھی دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں۔فقط والسلام

☆☆☆

حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب مظاہریؒ کی مثالی شخصیت

جناب حضرت مولانا قاری محمد نعیم قاسمی

ناظم مدرسہ انوارالقرآن پکی سرائے شہید نگر آگرہ

اللہ تبارک وتعالی بعض لوگوں کو ایسی بصیرت اخلاص اور حوصلہ عطا فرماتا ہے کہ انکی پوری زندگی دین کی خدمت علم کی اشاعت اور نسلوں کی تعمیر کے لیے وقف ہوجاتی ہے حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب مظاہری رحمتہ اللہ علیہ بھی انہی شخصیات میں سے تھے آپ نے اپنی پوری زندگی خدمت خلق اور علم دین کی نشر واشاعت کے لیے وقف کردی تھی یہی وجہ ہے کہ آج آپ کا نام آگرہ اور اطراف کے دینی حلقوں میں بڑے ہی ادب واحترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب رحمتہ اللہ علیہ نہایت ہی محنتی مخلص اور نیک دل انسان تھے آپ کی سب سے بڑی فکر خدمت دین اور نئی نسل کو دینی تعلیم سے روشناس کرانا تھا۔

آپ کی ولادت یکم جنوری ۱۹۴۸ء مطابق ۱۸ صفر ۱۳۶۷ھ میں مغربی چمپارن بہار میں ہوئی آپ نے اپنے تعلیمی سفر کا اغاز اپنے آبائی علاقے میں واقع مدرسہ اسلامیہ قرHنیہ سمراچمپارن سے کیا آپ نے وہاں تکمیل حفظ، فارسی اور ابتدائی عربی درجات کی تعلیم حاصل کی پھر آپ نے مدرسہ جامع العلوم کانپور میں داخلہ لیا اور مشکوٰۃ شریف تک تعلیم حاصل کی بعدازاں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلے لے کر سن ۱۳۸۷ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔

تعلیم کے دوران آپ کو اکابر علماء کی صحبت میسر رہی آپ نے بخاری شریف جلد اول اور ترمذی شریف حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب سے اور بخاری جلد ثانی شیخ زکریا سے پڑھی جب کہ دیگر علوم وفنون میں بھی متعدد جلیل القدر علماء واساتذہ سے استفادہ حاصل کیا انہیں بزرگوں کی صحبت و تربیت نے آپ کی شخصیت میں علم وعمل تقوی اخلاص اور خدمت خلق کے اوصاف پیدا کیے۔

فراغت کے بعد آپ نے اپنے تدریسی دور کا اغاز کیا اور آپ نے ۱۵ سال مدرسہ جامع العلوم کانپور میں تدریسی خدمات انجام دی اور آپ نے بڑے اخلاص اور شفقت کے ساتھ طلبہ کو پڑھایا اور بے شمار طلبہ آپ کے علم وفیض سے مستفید ہوئے آپ کی تدریس کا انداز نہایت موثر مدلل اور دل نشیں تھا طلبہ آپ کے حسن اخلاق شفقت سادگی اور خلوص سے بے حد متاثر رہتے تھے۔

پھر آپ آگرہ منتقل ہو گئے اور آپ نے تین سال مدرسہ افضل العلوم تاج گنج میں حضرت مولانا سعید صاحب امینی نور اللہ مرقدہ کی سرپرستی میں تدریسی خدمات انجام دی حضرت مولانا سعید صاحب امینی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ سے خاص انسیت اور لگاؤ تھا اور آپ کی شخصیت نمایاں طور پر جانی جاتی تھی پھر ایک سال مدرسہ تعلیم القران وزیر پورہ میں تدریسی خدمات انجام دی۔

تاہم دینی پسماندگی اور اسلام کی بگڑتی شکل وصورت آپ کو بے چین کرتی رہتی اور دل ہی دل میں کڑھتے رہتے اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے آگرہ جیسے علاقے میں ایک دینی ادارہ قائم کرنے کا ارادہ کیا جہاں بدعات اور رسم ورواج کا زور تھا آپ یہ محسوس کرتے تھے کہ اس علاقے میں ایک ایسے معیاری دینی ادارے کی ضرورت ہے جو دین اور علم کی روشنی عام کرے نوجوان نسل کو اسلامی تعلیمات

سے آراستہ کرے اسی فکر واحساس نے آپ کو ایک عظیم مشن کی طرف متوجہ کیا چنانچہ آپ نے یہ ادارہ رجب ۱۴۰۶ھ میں قائم کیا آپ نے اس ادارے کے قیام میں بڑی تکالیف اور مشقتوں کا سامنا کیا جس زمین پر آپ نے یہ ادارہ قائم کیا وہ زمین تعمیر کے لیے ہموار نہ تھی آپ نے بڑی جدوجہد کر کے اس زمین کو تعمیر کے لیے ہموار کیا اور آج ماشاءاللہ مدرسہ ھذا میں مکمل درس نظامی اور تکمیل افتاء کی تعلیم دی جارہی ہے اور یہ ادارہ آگرہ کا سب سے بڑا ادارہ ہے۔

پھر آپ تادم حیات اسی ادارے میں تدریسی اور انتظامی خدمات انجام دیتے رہے آپ رحمتہ اللہ علیہ مدرسہ ھذا کے مہتمم ہونے کے ساتھ ساتھ ممتاز مدرس بھی تھے۔

اللہ تبارک وتعالی حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی مغفرت فرمائے ان کے درجات بلند فرمائے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اس ادارے کو تا قیامت دینی خدمات کا ذریعہ بنائے۔

۵ محرم الحرام ۱۴۴۸ھ

☆☆☆

حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب مظاہری
علم وعمل کا ایک درخشندہ ستارہ

جناب قاری معین الدین صاحب امام وخطیب اکبری مسجد آگرہ

تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ جب بھی ملتِ اسلامیہ کو تعلیمی یا فکری بحران کا سامنا ہوا، اللہ رب العزت نے ایسے نفوسِ قدسیہ کو پیدا فرمایا جنہوں نے اپنی پوری زندگی دینِ متین کی اشاعت اور علمِ نبوی کی ترویج کے لیے وقف کر دی۔ انہی جلیل القدر شخصیات میں ایک نمایاں نام حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب مظاہری رحمتہ اللہ علیہ کا ہے، جو علم وتقویٰ کے پیکر اور اخلاص وللّٰہیت کے عظیم نمونہ تھے۔

ولادت اور ابتدائی نشو ونما

مولانا کی ولادت 1938ء میں ریاست بہار کے ضلع چمپارن کے ایک گاؤں "بھروا ٹولہ" میں ہوئی۔ آپ کا تعلق ایک ایسے گھرانے سے تھا جو پیشہ کے اعتبار سے کسان تھے لیکن ان کے اندر دین داری اور شرافت کی روایتیں نسل در نسل منتقل ہو رہی تھیں۔ آپ کی ابتدائی تربیت اسی پاکیزہ ماحول میں ہوئی، جس نے آپ کے اندر بچپن ہی سے حصولِ علم کی تڑپ پیدا کر دی۔

تعلیمی سفر اور اسفارِ علمی

مولانا کا تعلیمی سفر انتہائی صبر آزما اور مشقتوں سے بھرپور تھا۔ آپ نے علم کی پیاس بجھانے کے لیے دور دراز کے علاقوں کا سفر کیا۔

ابتدائی تعلیم: آپ نے اپنے علاقہ کے مکتب ''بھرواٹولہ'' سے تعلیم کا آغاز کیا اور "سمرا" میں کلام اللہ کا حفظ مکمل کیا۔

گورکھپور اور کانپور: مزید تعلیم کے لیے آپ ایک سال گورکھپور رہے اور پھر جامع العلوم کانپور تشریف لے گئے، جہاں آپ نے سات سال تک فنون کی کتب پڑھیں اور اساتذہ کے

فیض سے سیراب ہوئے۔

مظاہر علوم سہارنپور: اپنے تعلیمی سفر کی تکمیل کے لیے آپ نے برصغیر کی عظیم درسگاہ مظاہر علوم سہارنپور کا رخ کیا، جہاں سے آپ نے ایک سال میں فراغت حاصل کی۔

تدریسی خدمات اور علمی فیضان

فراغت کے بعد آپ نے اپنی زندگی کا مشن "تعلیم وتعلم" کو بنالیا۔ آپ دوبارہ جامع العلوم کانپور تشریف لائے اور وہاں 14 سال تک مسلسل درس وتدریس کے فرائض انجام دیے۔ آپ کے پڑھانے کا انداز اتنا دلنشین تھا کہ طلبہ دور دور سے آپ کے حلقہ درس میں شرکت کے لیے آتے تھے۔ آپ نے جلالین جیسی اہم کتابوں کی تعلیم دی، جو آپ کی علمی گہرائی اور فقاہت کی دلیل ہے۔

دعوتی اسفار اور قیامِ مدارس

مولانا صرف ایک مدرس ہی نہیں بلکہ ایک مصلح اور بانی بھی تھے۔ آپ نے ملک کے مختلف حصوں میں دین کی شمع روشن کی۔

بہار اور راجستھان: کچھ عرصہ آپ نے اپنے وطن بہار اور پھر راجستھان کے گاؤں "بہتیڑ" میں دین کی خدمت کی۔

افضل العلوم اور تعلیم القرآن: 1983ء میں محبت کی سرزمین آگرہ تشریف لائے اور سب سے قدیم ادارہ مدرسہ افضل العلوم تاج گنج کی مسند تدریس کو زینت بخشی اور اس کے بعد "تعلیم القرآن" جیسے ادارے میں اپنی خدمات پیش کیں۔

دارالعلوم آگرہ کی بنیاد: آپ کی زندگی کا سب سے عظیم کارنامہ 1986ء میں "دارالعلوم آگرہ" کی بنیاد رکھنا ہے۔ یہ ادارہ آج بھی آپ کے خلوص اور محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے، جہاں سے سینکڑوں تلامذہ علمِ دین حاصل کر کے ملک وملت کی خدمت کر رہے ہیں

غریب پروری اور خدمتِ خلق

مولانا ابوالبرکات صاحبؒ کی زندگی جہاں علمی کمالات سے عبارت تھی، وہیں ان کا دل

انسانیت کی ہمدردی اور غریبوں کی محبت سے لبریز تھا۔آپ (الخلق عیال اللہ) مخلوق اللہ کا کنبہ ہے کے مصداق تھے۔

دردمند دل: آپ مسکینوں اور بے سہارا لوگوں کی مدد کو اپنی زندگی کا اہم جزو سمجھتے تھے۔ آپ کا دستر خوان اور آپ کے دروازے غریبوں کے لیے ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔

خفیہ امداد: آپ کی ایک بڑی صفت یہ تھی کہ آپ ضرورت مندوں کی مدد اس طرح فرماتے کہ کسی دوسرے کو خبر تک نہ ہوتی، تاکہ سفید پوشوں کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو۔

خوش اخلاقی: آپ غریبوں کے ساتھ نہایت تواضع اور انکساری سے پیش آتے تھے۔آپ کے برتاؤ میں کبھی بڑے عالم یا مقتدر شخصیت ہونے کا تکبر نہیں جھلکا، بلکہ آپ پسماندہ طبقے کے لوگوں کے ساتھ ایسے گھل مل جاتے کہ وہ اپنے سارے دکھ بھول جاتے۔

بلاشبہ، آپ کی ذات علم وسخاوت کا وہ حسین سنگم تھی جس نے نہ صرف ذہنوں کو علم سے منور کیا بلکہ دکھی دلوں کو سکون اور سہارا بھی فراہم کیا۔

بارگاہِ الٰہی میں التجا ہے کہ اللہ رب العزت حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب مظاہریؒ کی مرقد پر اپنی رحمتوں اور انوار کی برکھا برسائے، ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔مولیٰ کریم ان کی تمام علمی، تدریسی اور دعوتی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے اور اسے ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

دارالعلوم آگرہ کے حق میں: اللہ تعالیٰ حضرت کے قائم کردہ اس چمن دارالعلوم آگرہ کو ہمیشہ سرسبز وشاداب رکھے۔اس ادارے کو حاسدین کے حسد، شریر لوگوں کے شر اور زمانے کی نظرِ بد سے محفوظ فرمائے۔اس کی علمی وروحانی فیوض کو رہتی دنیا تک عام فرمائے اور یہاں سے ایسے مخلص علماء اور فضلاء پیدا فرمائے جو پوری دنیا میں دینِ حق کا پرچم بلند کریں۔

متعلقین کے حق میں: باری تعالیٰ حضرت کے پسماندگان، تلامذہ اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کو اخلاص واستقامت عطا فرمائے اور ہمیں ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

تعزیتی پیغام

جناب قاری معین الدین صاحب امام وخطیب اکبری مسجد آگرہ

تعزیتی پیغام بروفات حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جناب قاری سعید صاحب و جملہ برادران

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج بخیر ہوں گے

بہت افسوس ورنج کے ساتھ یہ اندوہناک خبر موصول ہوئی کہ مدرسہ دارالعلوم آگرہ کے بانی ومہتمم معروف عالم دین حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب مظاہری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دارِ فانی سے دارِ بقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی وفات نہ صرف ان کے اہل خانہ، متعلقین اور شاگردوں کے لیے بلکہ پورے دینی و علمی حلقے کے لیے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔مولانا ابوالبرکات صاحب ان جلیل القدر علمائے کرام میں سے تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی قرآن وسنت کی تعلیم وترویج، اوراصلاحِ معاشرہ کے لیے وقف کردی۔ان کی زندگی تقویٰ،علم وعمل،اوراخلاص کا حسین امتزاج تھی۔

اخلاق وکردار:

ان کے اخلاق،تواضع،حلم اور عاجزی ہر آنے والے کو متاثر کرتا۔وہ نہ صرف ایک عالم تھے بلکہ عملی طور پر ایک مثالی مسلمان بھی تھے۔وہ سب کے لیے سراپا شفقت، ہمدردی اور خیرخواہی کا مجسمہ تھے۔مجھ ناچیز سے حضرت انتہائی شفقت ومحبت فرماتے تھے دارالعلوم آگرہ میں میرے مدرسی کے زمانے میں محلّہ وزیرپورہ کی بڑی مسجد میں تقریر وخطابت کے لیے معمور

کیا جس کو میں نے احسن طریقے سے نبھایا الحمدللہ اور تب سے اب تک وہ سلسلہ کسی نا کسی درجہ میں باقی ہے اور ادارے سے میرے آجانے کے بعد بھی حضرت رحمہ اللہ اسی طریقے سے محبت و ہمدردی فرماتے رہے جزاہ اللہ احسن الجزاء

تعزیت:

ہم حضرت کے تمام متعلقین، اہلِ خانہ، متوسلین اور محبین کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ بنائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی خدمات کو قبول فرما کر انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے ادارے کی غیب سے نگہبانی کرے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆

خبرنامہ

جوڑے سے لوٹ کرنے والے گینگ کا انکشاف، ۳ لٹیرے گرفتار

بریلی: وشارت گنج تھانہ کی پولیس نے ۱۷ر جولائی کی رات ایک جوڑے سے ہوئی لوٹ کا پردہ فاش کرتے ہوئے تین لٹیروں کو گرفتار کیا ہے۔ پولیس نے لٹیروں کے قبضہ سے چھینے گئے دو Vivo موبائل فون، ایک کلائی گھڑی، نقدی اور لوٹ میں استعمال ہونے والی مسروقہ ہیرو اسپلینڈر موٹر سائیکل برآمد کی ہے۔ تینوں ملزمان ایک نیا جرم کو انجام دینے کی کوشش میں تھے۔ اس سے پہلے پولیس کی مستعدی نے انہیں سلاخوں کے پیچھے بھیج دیا۔ ۱۷ر جولائی کو جوڑے سے چھیننا تھا پرس یہ واقعہ وشارت گنج تھانہ کے علاقے میں پیش آیا، جہاں ۱۷ر جولائی کی رات پر بہاؤالدین پور گاؤں کے قریب موٹر سائیکل پر سوار ایک جوڑے کو نشانہ بنایا گیا۔ تین نا معلوم بد معاشوں نے جوڑے کا پرس چھین لیا، جس میں دو موبائل فون، ایک گھڑی اور ۵۰۰۰ر روپے نقد تھے۔ متاثرہ کی شکایت پر پولیس نے مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی۔ جمعہ کو گشت اور چیکنگ کے دوران وشارت گنج پولیس کو ایک مخبر سے اطلاع ملی کہ پر بہاؤ الدین پور لوٹ معاملے کے تینوں ملزم مدھوسودن فیکٹری کے پیچھے ایک ویران مکان میں چھپے ہوئے ہیں۔ اور ایک راہ گیر کو دوبارہ لوٹنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ کوئی وقت ضائع کیے بغیر انسپکٹر انچارج پردیپ کمار چترویدی کی قیادت میں پولیس ٹیم نے علاقے کو گھیرے میں لے لیا اور ضروری طاقت کا استعمال کرتے ہوئے تینوں کو گرفتار کر لیا۔ گرفتار ملزمین کی شناخت ابھیودیا (۲۶) ولد سنجے سنگھ ساکن انتر چھیڑی، وشارت گنج کے خلاف پہلے سے ہی آرمس ایکٹ اور چوری کے کئی مقدمات درج ہیں۔ ویبھو پال (۱۹) ولد ہری پال ساکن مرزا پور آملہ، اور روہت عرف موہت (۲۳) ولد موہت ساکن انتر چھیڑی بسارت گنج کے طور پر ہوئی ہے۔ چوری کی موٹر سائیکل سے کرتے تھے واردات۔ دوران تفتیش ملزمان نے اپنے جرائم کا اعتراف کرتے ہوئے بتایا کہ وہ لوٹ کی وارداتیں کرتے اور پھر مسروقہ سامان آپس میں بانٹ لیتے تھے۔ ملزم نے جرم میں استعمال ہونے والی ہیرو اسپلینڈر (UP 25DL3665) چوری کرنے کا اعتراف بھی کیا، جس کی پولیس الگ سے تفتیش کر رہی ہے۔ ملزمان پر ضابطہ فوجداری (سی آر پی سی) کی دفعہ ۳۱۷ (۲) کے تحت فرد جرم عائد کیا ہے اور انہیں عدالت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

(بشکریہ روزنامہ صحافت دہلی ۹ر اگست ۲۰۲۶ء)